سلام

موت ابتلا کہیں ہے سکون آفریں کہیں
منزل وہی مگر کہیں شک ہے یقین کہیں

اے کوفیو! سپر رکے گی نہ ذوالفقار
ڈھونڈو جو مل سکیں پر روح الامیں کہیں

دولت جہاں جہاں بھی ملے گی علی الحساب
ہوگا کوئی تلف شدہ حق بھی وہیں کہیں

معراج ردِ شمس ، دم سجدہ حسینؑ
رک بھی گئی ہیں وقت کی نبضیں کہیں کہیں

ابھری ہے لے کر خون شہداں کو کربلا
ٹکرا نہ جائے عرش سے جا کر زمین کہیں

وہ حُر سوئے حسینؑ چلا ، دیکھ ابن سعد
رکتا ہے شک کے سائے میں نورِ یقین کہیں

سبطِ رسول ،منزل تسلیم جاں سجود
اسطرح جھکی نہ کسی کی جبیں کہیں

دامن سے شاہ گردنِ اصغر کو ڈھانپ لیں
یہ زخم دیکھ لے نہ رباب عزیز کہیں

کوثر پہ ہے علیؑ کے غلاموں کا اژدھام
شاہد بھی اک غلام ہے ہوگا وہیں کہیں

سلام

اے عزادارانِ سبطِ مصطفیٰ جیتے رہے — ہے تمہارے سر پر زہراؑ کی دعا جیتے رہو
دوڑتی دیکھی جو رگ رگ میں مئے حُبِّ علیؑ — مسکرا کر موت نے مجھ سے کہا جیتے رہو
زندگی چھینی اجل سے تم نے پیری سے شباب — اے حبیبؓ ابن مظاہر مرحبا جیتے رہو
اے شہیدو تم نے دینِ حق کو اپنا خوں دیا — تا ابد اب تم ہو اور قربِ خدا جیتے رہو
لو عزادارو غم دنیا سے فرصت مل گئی — ہیں تمہارے اشک ہر غم کی دوا جیتے رہو
موت سے ٹکرا کے جینے کا سلیقہ دے گئے — اے شہیدانِ رہِ صدق و صفا جیتے رہو
تم نے اصغر مسکرا کر موت کی آغوش میں — مقصدِ سرور کو روشن کردیا جیتے رہو
راہِ حق میں مرنے والو موت کا تم پر سلام — اب محافظ ہے تمہاری خود قضا جیتے رہو
اس طرف پامالیوں کی زد پہ ہے قائمؑ کا جسم — اور ادھر خیمے میں ماں کی یہ دعا جیتے رہو
قیدیو! تم ہی تو ہو تفسیر قرآنِ حسینؑ — موت سے مشکل سہی راہِ رضا جیتے رہو
تم کو مرنا ہے ابھی ہر سانس پر چھبیس سال — تم تو ہو سجادؑ زندہ کربلا جیتے رہو

بے بسی سے تک رہے ہیں لاشِ اکبر کو حسینؑ
بھائی کو لکھی ہے صغرا نے دعا جیتے رہو

سلام

مستند تاریخ اسلامی کہاں لکھی گئی
تخت تخت کو منبر بنا کر داستاں لکھی گئی

تھی وہ لحنِ مصطفیٰؐ میں دعوتِ خیر العمل
قلبِ حُر پر جو بعنوانِ اذاں لکھی گئی

کربلا کی معنویت کو چھپانے کے لئے
واقعے کچلے گئے پھر داستاں لکھی گئی

سوچئے کیوں مستند ٹھہری وہی ہر دور میں
مدحِ آلِ مصطفیٰؐ میں جو زباں لکھی گئی

رُک سکا حکمِ زباں بندی ہے کب ذکرِ حسینؑ
لب سلے تو آنسوؤں سے داستاں لکھی گئی

بس وہی اشعار ادب کی گود میں زندہ رہے
جن میں ذہنوں کی نہیں دل کی زباں لکھی گئی

شام تک رستے گئے سجاد کے تلووں کے زخم
سارے رستے پر لہو سے داستاں لکھی گئی

کیا تعجب تھرتھرا اُٹھے ہوں خود محضر کے حرف
جب سکینہ کے گلے میں ریسماں لکھی گئی

سوچتا یہ ہوں کہ جذبہ حرف کیونکر بن سکا
کس زباں میں داستانِ بے زباں لکھی گئی

دو کٹے ہاتھوں نے یوں لکھی کہ ابتک نقش ہے
وہ حکایت جو سرِ آبِ رواں لکھی گئی

سلام

اکبر نبی نہیں ہے نبی کا شباب ہے
صورت ہے لیکن اپنی جگہ خود کتاب ہے

وہ آرہا ہے فوجِ عدو سے نکل کے حُر
اکبر تری اذاں کا یہ پہلا جواب ہے

گُل کر کے شمع دیکھتے ہیں شہ دلوں کا نُور
کس درجہ منفرد روشِ انتخاب ہے

اکبر اذاں کے وقت سراپا رسول تھا
اب منزلِ جہاد ہے اب بوترابؑ ہے

جذبہ کبھی کٹا ہے کسی ضربِ تیغ سے
لوگو حسینؑ فرد نہیں انقلاب ہے

اکبر کی سمت ہے نگہِ وارثِ رسول
دین خدا کے لب پہ سوالِ شباب ہے

خود دھوپ سایہ ہو جو اشارہ کریں امام
پھیرا تھا جو علیؑ نے وہی آفتاب ہے

یوں تول اے یزید جہادِ حسینؑ کو
رہ جائے جس کی بات وہی کامیاب ہے

اے موت کربلا سے نگاہیں بچا کے چل
پائے فنا پہ بند شہادت کا باب ہے

ب ربطِ آل مل نہ سکے گی کتاب بھی
چلئے یہ مانے لیتے ہیں کافی کتاب ہے

یہ فتح ظاہری ہے تری موت اے یزید
دریا سمجھ رہا ہے جسے تو سراب ہے

زد پر سناں کہ سینہ ہم شکلِ مصطفیٰ ؐ
یہ اعترافِ بغضِ رسالت مآب ہے

شاؔہد غلامِ آل ہوں جنت ہے میری قبر
خوفِ فشار ہے نہ غمِ احتساب ہے

سلام

عجیب قطرۂ اشک عزا کا عالم ہے
رکے تو زخم ہے بہتا رہے تو مرہم ہے

کچھ ایسا جذبِ رگِ جاں حسینؑ کا غم ہے
نفس کی آمد و شد زندگی کا ماتم ہے

ورائے وقت و مقام اس شہید کا غم ہے
جہاں بھی یادِ حسینؑ آگئی محرم ہے

اسی پہ سایہ فگن لَو کشف کا پرچم ہے
جو قیدِ جسم میں بھی لامکاں کا محرم ہے

علیؑ کی شان ورائے قیاسِ عالم ہے
عبادتِ ثقلین ایک ضرب سے کم ہے

پتہ چلا کہ ہمیں ہیں حسینؑ کے غم تک
سمجھ رہے تھے کہ ہم تک حسین کا غم ہے

حضور آئیں گے اس کا یقین تو ہے دل کو
مری حیات میں آئیں یہ امر مبہم ہے

سلام کرتی ہے خود روحِ بندگی اس کو
وہ ایک سجدہ بظاہر جو سجدے سے کم ہے

کسی سے ٹوٹے دلوں کا یہ آسرا نہ چھینے
غمِ حسینؑ نہ ہونا بہت بڑا غم ہے

یہ سوز دل بھی یہ اشک آبروئے مژگاں بھی
اٹھے تو شعلہ برہم گرے تو شبنم ہے

تڑپ رہا ہے اُدھر لاشہ پسر رن میں
ادائے شکر میں یاں باپ کی جبیں خم ہے

خدا عمل کی بھی توفیق دے مگر شاہدؔ
مری نجات کو ذکرِ حسینؑ کیا کم ہے

سلام

دل سرد لب پہ گرمیِ گفتارِ کربلا
اقرار کر رہے ہو کہ انکارِ کربلا

حد بندِ جبر و صبر ہے دیوارِ کربلا
لاکھوں سلام تجھ پہ ہوں معمارِ کربلا

تسکینِ قلبِ فاطمہ زہرا ہیں اشکِ غم
خود اُمِّ سیدہؑ ہیں عزادارِ کربلا

خود اپنا سمو دیا تعمیرِ قصر میں
تھا منفرد زمانے سے معمارِ کربلا

سیلِ بلا میں ڈوب چلا تھا خدا کا دیں
وہ تو ابھر کے آگئی دیوارِ کربلا

انصار کا جواب نہ چشمِ حسینؑ کا
ناقابلِ شکست ہے معیارِ کربلا

لب سل گئے تو آنکھ سے آنسو ٹپک پڑے
واضح کچھ اور ہوگیا اظہارِ کربلا

اس شانِ منفرد سے شہیدوں نے جان دی
اقدارِ زیست بن گئے اقدارِ کربلا

ناراض تو نہ ہوگے جو کہہ دوں تمہیں یزید
کر تو رہے ہو جرأتِ انکارِ کربلا

وہ ضعف و تپ، وہ دھوپ، وہ گرمی، وہ راہِ سخت
تھی کتنی دور منزلِ دشوارِ کربلا

سلام

شکر پیہم کاتبِ تقدیر کا — لکھ دیا قسمت میں غم شبیرؑ کا
جو عمل زینب ؑ کا وہ شبیرؑ کا — ربط ہے قرآن سے تفسیر کا
اک تبسم تیر قاتل کا جواب — جسم اصغر میں ہے دل شبیر کا
چشمِ ابراہیمؑ ہے سوئے حسینؑ — منتظر اک خواب ہے تعبیر کا
کربلا ہے بدر کا ردِ عمل — یہ حقیقی رخ ہے اس تصویر کا
واقعہ کو اس کے پس منظر میں دیکھ — اب بتا کیا جرم ہے شبیرؑ کا
اور کیا مانگوں خدا سے روزِ حشر — سر پہ سایہ چادرِ تطہیر کا
ذکرِ قرآں ہو کہ ذکر حفظ حق — لب پہ نام آجائے گا شبیرؑ کا
ظلم کی کاوش پہ اصغر ہنس دیئے — سوئے قاتل مڑ گیا رخ تیر کا
جتنی زینبؑ کی زباں بندی ہوئی — زور اتنا ہی بڑھا تقریر کا
شام و کوفہ کے مسافر جاچکے — غل فضا میں ہے ابھی زنجیر کا
کچھ جلے خیموں پہ ہے بنیادِ دیں — یہ بھی اک انداز ہے تعمیر کا
کتنی صدیاں کربلا کا ایک دن — کتنے عالم اک نفس شبیرؑ کا
روحِ زہراؑ سوئے زینبؑ اک نگاہ — کوئی گوشہ چادرِ تطہیر کا
ہوگئی زنداں سے اک بچی رہا — ایک حلقہ کٹ گیا زنجیر کا

اور شاہدؔ کیا لکھوں جز مدحِ آل
کوئی مقصد بھی تو ہو تحریر کا

سلام

ہے آل سے گریز تمسک کتاب ہے
کب تک لڑو گے حکم رسالت مآب سے

اکبر سے بغض، عشق رسالت مآب سے
کیونکر ڈریں نہ مردہ ضمیر احتساب سے

دینِ رسول کو ہے جوان خون کی طلب
اکبر کو موت مانگ رہی ہے شباب سے

جاری ہے باز گشت صدائے حسینؑ کی
پیہم گزر رہی ہے زمین انقلاب سے

اکبر پہ وار کرکے عدد کتنے شاد ہیں
نکلا وہ بغض تھا جو رسالت مآب سے

نورِ خدا ہے جلوۂ ہم شکلِ مصطفیٰ ؐ
اس نور کی مثال نہ دو آفتاب سے

ڈرتے نہیں اجل سے صداقت کے رہ نورد
ڈرتی ہے موت ہر و راہِ صواب سے

اکبر نبیؐ سے کتنے مشابہ تھے قبلِ جنگ
اب کیسی شکل ملنے لگی بوتراب سے

جینے کی آرزو ہے تو نظمِ حیات کو
ترتیب دو حسینؑ کے دینی نصاب سے

شاہدؔ سمجھ نہ پائیں گے وہ کیا ہے کربلا
واقف نہیں جو رشتہ آل و کتاب سے

سلام

کہاں تمام ہوئی جہدِ کربلا ابتک
زمیں پہ قرض ہے پیاسوں کا خون بہا ابتک

بدل گئے شہداء لفظِ موت کا مفہوم
بقا ہے وہ جسے سمجھا گیا فنا اب تک

حصارِ دیں میں بڑھیں کیسے خسروی کے قدم
کہ سدِّ راہ ہے دیوارِ کربلا ابتک

نہ جانے کتنے مسلماں نہ لاسکے ایماں
زبان و دل میں جو تھا ہے وہ فاصلہ ابتک

دکھا گئی نگہِ دہر کو جبینِ حسینؑ
چھپی ہوئی تھی جو سجدے کی انتہاء ابتک

حسینؑ نے کچھ اس انداز سے جواب دیا
کہ تاج دین سے بیعت نہ لے سکا ابتک

کھرچ رہا ہے دلِ اہل شر کو ذکرِ حسینؑ
جھنجوڑتی ہے ضمیروں کو کربلا ابتک

گرے تھے مشکِ سکینہ لئے جہاں عباس
وہاں سے بڑھ نہ سکی سرحدِ وفا ابتک

ہوئی نہ قطع یہ برہانِ عصمت شبیرؑ
ہے ایک کوہِ گراں حُر کا فیصلہ ابتک

نبیؐ تو ایک طرف بن گئے خدا کچھ لوگ
کوئی حسینؑ نہ دنیا میں بن سکا ابتک

لرزتی رہتی ہے آہوں سے ایک بچی کی
دیارِ شام سے آتی ہے جو ہوا ابتک

حسینؑ کر بھی چکے دفن لاشِ اصغر کو
رباب تکتی ہے خیمے میں راستا ابتک

پڑا ہے قبر کے دامن سے منہ چھپائے ہوئے
ہے اک بھتیجی سے شرمندہ اک چچا ابتک

پیام لایا ہے قاصد، سنا علی اکبر
کہ تک رہی ہے بہن تیرا راستہ ابتک

سلام

ہمارے ہیں ہمیں تو یوں بھی سرور یاد آتے ہیں
مگر غم میں تو غیروں کو بھی اکثر یاد آتے ہیں

شعورِ زندگی منزل بہ منزل بڑھتا جاتا ہے
نقوشِ کربلا منظر بہ منظر یاد آتے ہیں

لکھی جاتی ہے جب بھی سرنوشت جہدِ انسانی
علامت بن کے آزادی کی سرور یاد آتے ہیں

ہے کتنا ربط باہم کربلا کے سرفروشوں میں
کسی کا نام لے لیجئے ۷۲بہتر یاد آتے ہیں

کبھی گر ذکر چھڑ جاتا ہے معراجِ عبادت کا
تو اک غازی کے سجدے زیرِ خنجر یاد آتے ہیں

مقامِ کربلا وہ منزل تقدیس و عرفاں ہے
جہاں قدموں کے بدلے راہ میں سر یاد آتے ہیں

علی اکبر کے جیتے جی پیمبر یاد رہتے تھے
علی اکبر نہیں باقی پیمبر یاد آتے ہیں

رکے تھے اشک زینبؑ منتِ عابدؒ پہ مشکل ہے
بس اتنا کہہ کے پھر رو دیں کہ اکبر یاد آتے ہیں

کوئی غازی نہیں آتا ہے یاد اس طرح اے شاہدؔ
اجل کو جس طرح اصغر کے تیور یاد آتے ہیں

سلام

کربلا گنجینہ انوار ہے
کس کو کتنی روشنی درکا ہے

فیصلہ اب حُر کو کیا دشوار ہے
اِس طرف سجدے اُدھر تلوار ہے

معرفت شبیرؑ کی دشوار ہے
شرطِ اول دیدہَ بیدار ہے

پشتِ عابد خود لب گفتار ے
خوں بھی اک پیرایہ اظہار ہے

ظلم سے بیعت سے ڈر سے، خوف سے
کربلا انکار ہی انکار ہے

چشمِ اللہ و نبیؐ میں معتبر
اک رُجل اور ایک ہی تلوار ہے

کس قدر خاموش ہیں اصغر کے لب
اور کتنی دور رس گفتار ہے

جمع ہیں ہر صنف و سن کے شاہکار
کربلا پیمانہ کردار ہے

سب سے افضل کون ہے بعد نبیؐ
دل سے پوچھو گفتگو بیکار ہے

اب بھی لڑتا ہے تو لڑ مرحب مگر
سوچ لے یہ حیدرؑ کرار ہے

اسوہَ شبیرؑ و شبرؑ یوں سمجھ
اک سپر اک دین کی تلوار ہے

کس طرح سنبھلے گا یہ طوقِ گراں
ظالمو عابدؑ بہت بیمار ہے

سلام

حُبِّ اہل بیت سے معمور جس کا دل ہو — وہ حصارِ کلمہ توحید میں داخل ہوا
طاقتِ قرآن نے توڑا تھا طلاقت کا طلسم — کربلا ابھری تو دولت کا فسوں باطل ہوا
ہنس دیئے اصغر دلوں کا رُخ بدل کر رہ گیا — تیرِ قاتل کا ہدف خود سینہ قاتل ہوا
وہ اذاں وہ لحنِ اکبر و تزلزل دشت کا — جیسے ارضِ کربلا کا ذرہ ذرہ دل ہوا
کس سلیقے سے چلا تھا کاروانِ کربلا — جو قدم اُٹھا چراغِ جادۂ منزل ہوا
خون پی کر بھی رہی پیاسی زبانِ ذوالفقار — دردِ امت شاہ کے ہر وار میں حائل ہوا
ہل اتیٰ والوں کے در پر جب اٹھا دستِ سوال — شاکیِ تنگی داماں کا سہ سائل ہوا
سو گئے سرور تو جاگ اُٹھا ضمیر کائنات — حال دھند لایا تو روشن دیں کا مستقبل ہوا
کربلا نے توڑ دی ہر سیل باطل کی کمر — کربلا کی سمت جو طوفاں بڑھا ساحل ہوا

ہم سے شاؔہد کیا الجھتے حادثاتِ زندگی
آگئے مشکل کشا جو مرحلہ مشکل ہوا

سلام

نام تھا شبیرؑ اک انسان کا
استعارہ بن گیا قرآن کا

ربطِ باہم آل اور قرآن کا
مرکزی نقطہ ہے یہ ایمان کا

عزمِ حُر اک فیصلہ انسان کا
فیصلہ لیکن حسینی شان کا

تذکرہ آلِ عبا کی شان کا
حُسنِ مطلع ہے مرے دیوان کا

لفظ و معنی کی جبیں سجدے میں ہے
تذکرہ ہے بولتے قرآن کا

کُلِّ ایماں ہے ہمارا رہبر
ہم سے پوچھو راستہ ایمان کا

کس سے مانگوں عزمِ شبیری کی بھیک
سامنا ہے ظلم کے طوفان کا

ہے شبِ معراج آوازِ علیؑ
میزباں سے رابطہ مہمان کا

بزمِ شبیریؑ ہے میزانِ خلوص
وزن ملتا ہے یہاں عرفان کا

کشتیِ آلِ عبا ہے اور میں
اب مجھے کیا ڈر کسی طوفان کا

ہے کوئی دنیا میں جو مثلِ حسینؑ
رخ بدل دے فطرتِ انسان کا

میرا مسلک ہے شعارِ اہلبیت
یہ خلاصہ ہے مرے ایمان کا

معجزہ ہے قوتِ ایمان کا
انقلابِ حق نما ایران کا

بڑھتے جاتے ہیں غلامانِ حسینؑ
ٹھوکروں میں تاج ہے سلطان کا

سلام

عمل اک بار مری بات پہ کر تو دیکھو
یا علیؑ کہہ کے دعاؤں کا اثر تو دیکھو

ڈھل گئے شکل نبیؐ میں علی اکبر کے نقوش
ماں کی شب گیر دعاؤں کا اثر تو دیکھو

ضامنِ کوثر و تسنیم ہے ہر اشکِ عزا
سوگوار و صلہ دیدۂ تر تو دیکھو

ابھی ہم شکل نبیؐ تھے ابھی ہم شانِ علیؑ
روئے اکبر کی طرف بارِ دگر تو دیکھو

ہر قدم آگ کے طوفان سے گزرے ہیں حسینؑ
اس مسافر کی کٹھن راہ گذار تو دیکھو

ہوگئی کتنی حسیں لہجہ اکبر سے اذاں
وہی فقرے ہیں مگر آج اثر تو دیکھو

زغیہ منزلِ عرفان محمدؐ ہیں علیؑ
شہر آئے گا نظر شہر کا در تو دیکھو

نام کس کس کے لئے جاتے ہیں ہمراہِ علیؑ
بالارادہ ستمِ اہلِ خبر تو دیکھو

غم کے طوفان میں جب ڈوبنے لگتی ہے حیات
کربلا دیتی ہے آواز ادھر تو دیکھو

ماں کی آغوش میں شبیرؑ ہیں زانو پہ حسنؑ
خانہ سیدہؑ کے شمس و قمر تو دیکھو

موت کی سمت قدم جانبِ شبیرؑ نگاہ
کربلا والوں کا اندازِ سفر تو دیکھو

یوں بھی ہوتا ہے ادا اجرِ رسالت شاید
اک نبی زادے کا جلتا ہوا گھر تو دیکھو

پھر ہوئی خیر سے نانا کی زیارت حاصل
اے حسینؑ ابن علیؑ روئے پسر تو دیکھو

آج کے بعد اذاں کو نہ ملیں گے اکبرؑ
کس قدر رقت ہے ذرا روئے سحر تو دیکھو

سلام

شب دہم میں بھی ممکن شعورِ ذات تو ہے
کہ فکر حُر کے لئے اب بھی ایک رات تو ہے

حسینؑ کو یہ سہارا بچے ثابت تو ہے
نہ ہو کوئی مرا حامی خدا کی ذات تو ہے

خدا کا شکر، علاجِ غم حسینؑ نہیں
ہمارے پاس علاجِ غم حیات تو ہے

خدا نہیں تو کوئی اور نام دو لیکن
کسی کا ہاتھ پسِ نظم کائنات تو ہے

نہ کیجیے عظمت شبیرؑ کو ابھی تسلیم
جہادِ سبطِ نبیؐ سوچنے کی بات تو ہے

علیؓ کے شیر، ترائی میں چین سے سوجا
لحد ملے نہ ملے خنکیِ فرات تو ہے

رباب جھولے سے اصغر کو گود میں لے لو
کہ مامتا کی تسلی کو ایک رات تو ہے

یہ شرط ہے کہ عمل کی جلا بھی ہو شاہدؔ
ہر ایک اشکِ عزا ضامنِ نجات تو ہے

سلام

یوں حقِ شکر پھر نہ کسی سے ادا ہوا
سجدے میں ہیں حسینؑ کہ وعدہ وفا ہوا

شاید کہیں اشارۂ دستِ خدا ہوا
وہ آفتاب لوٹ پڑا ڈوبتا ہوا

جب بھی جہاں بھی تذکرۂ کربلا ہوا
مظلوم کو سکوں ملا ظالم خفا ہوا

تارا فلک سے ٹوٹ کر ہمراہِ جبرائیل
اترا علیؑ کے گھر کا پتہ پوچھتا ہوا

سمجھے علیؑ کو پہلے تو خیرہ نظر نبی
پھر خیرگی بڑھی تو گمانِ خدا ہوا

اے حرملہ تبسمِ اصغر بھی دیکھ لے
اب اور کوئی تیرا چلا، یہ خطا ہوا

حیدرؑ تھا قبلِ رخصتِ میداں علی کا شیر
جب ہاتھ شہ کو بیچ دیئے مرتضیٰ ہوا

بس یہ کفن سکینہ کو سجاد دے سکے
تن پر جو وقتِ مرگ تھا کرتا پھٹا ہوا

اکبر کی لاش خیمے میں لائے جو شاہِ دیں
لیلیٰ بس اتنا کہہ سکیں ''آقا یہ کیا ہوا''

شاہدؔ خود اپنی ذات کے صحرا میں کر سفر
خود آشنا ہوا تو خدا آشنا ہوا

سلام

زندہ ہر دور میں شبیرؑ کا غم رکھا ہے
ہم نے وطوانوں میں کشتی کا بھرم رکھا ہے

ناز سے سوئے نبیؐ دیکھ رہے ہیں حیدرؑ
دوشِ عباسؑ پہ سرور نے علم رکھا ہے

کوئی ہو، کچھ ہو، مسلماں ہے تو مولیٰ ہیں علیؑ
سوچ لو، کس کو بڑھایا کسے کم رکھا ہے

اور ہونگے وہ جنہیں خوف ہے گمراہی کا
آل و قرآن کو ہم نے تو بہم رکھا ہے

صبحِ عاشور کے سورج تو کہاں ہوگا غروب
کتنی صدیوں کو ہر اک لمحے میں ضم رکھا ہے

ذکرِ شبیرؑ میں سفیانی سیاست توبہ
ایک بت اب بھی سربامِ حرم رکھا ہے

ڈھل کے لفظوں میں جو آنسو لبِ زینبؑ پہ رچے
انہیں اشکوں نے غمِ شہ کا بھرم رکھا ہے

آجتک ہیں وہ رہِ شام کے ذرے گریاں
جن پہ رستے ہوئے چھالوں نے قدم رکھا ہے

یہ سکینہؑ کے رسن بستہ گلے سے پوچھو
کیوں ہر اک بی بی نے سر رستے میں خم رکھا ہے

آج کے دور میں سچ بول رہا ہے شاہدؔ
تیغ کے دھار پہ ناداں نے قدم رکھا ہے

سلام

تخت والے ڈگمگا کر رہ گئے
شاہِ دیں دنیا پہ چھا کر رہ گئے

رن میں اصغر مسکرا کر رہ گئے
بے کہے سب کچھ سنا کر رہ گئے

دے سکے ظالم نہ صابر کو شکست
سارے حربے آزما کر رہ گئے

حرملہ کالی گیا تیرا یہ تیر
دیکھ اصغر مسکرا کر رہ گئے

ذہن عابدؑ قید کیا کرتے لعین
پاؤں میں بیڑی پنھا کر رہ گئے

جتنے غم انسان کی قسمت میں تھے
کربلا کی حد میں آ کر رہ گئے

کیسے اصغرؑ مانگتے رن کی رضا
ننھے ننھے ہاتھ اُٹھا کر رہ گئے

موت نے اکبر کو چھینا اور حسینؑ
لاش سینے سے لگا کر رہ گئے

یوں بگولوں نے منایا شہ کا غم
کربلا کی خاک اڑا کر رہ گئے

کب سے بچی کررہی ہے انتظار
نہر پر عباسؑ جا کر رہ گئے

کچھ نہ کچھ پردہ حرم کر رہ گیا
چہرے بالوں سے چھپا کر رہ گئے

روکتے کیا اہل شر سرور کی راہ
ہر طرف کانٹے بچھا کر رہ گئے

پوچھئے زہراؑ سے غم شبیرؑ کا
ہم تو دو آنسو بہا کر رہ گئے

سلام

صحنِ مقتل کو جو سجدوں سے سجا دیتے ہیں
خوں کے ہر قطرے کو تاریخ بنا دیتے ہیں

یوں بھی اربابِ وفا دادِ وفا دیتے ہیں
شمع بجھتی ہے تو دل شمع جلا دیتے ہیں

امتی یوں بھی رسالت کا صلا دیتے ہیں
گھر جلا دیتے ہیں قرآن جلا دیتے ہیں

ذکرِ شبیرؑ ہے خود وقت کے ہونٹوں کی پکار
ہم تو آواز میں آواز ملا دیتے ہیں

نصرتِ دیں کو بلاتی ہے جب آوازِ امام
بچے لبیک کی جھولے سے صدا دیتے ہیں

کربلا والوں کا اندازِ رضا تو دیکھو
ماں کے لب بچوں کو مرنے کی دعا دیتے ہیں

رُخِ زینبؑ سے نگاہوں کو ہٹانے کے لئے
شاہِ دیں نیزے پہ قرآن سنادیتے ہیں

جب بھی آجاتا ہے سقائے سکینہ کا خیال
بچے سوکھے ہوئے کوزوں کو گرادیتے ہیں

بد دُعا جب لب زینب پہ تڑپ اُٹھتی ہے
طوق و زنجیر کو سجاد ہلا دیتے ہیں

پانی بچے کے لئے مانگا ہے اب اس کا جواب
دیکھیں لوگ اپنے نبیؐ زادے کو کیا دیتے ہیں

سلام

نہیں دشوار امر حق کسی سے برملا کہنا
مگر اے دل بہ اندازِ شہید نینوا کہنا

سنبھل کر شاہِ دیں کو کشتہ تیغ جفا کہنا
کہ توہینِ شہیدِ حق ہے مجبورِ فنا کہنا

نصیری سے کوئی پوچھے تو کیا دیکھا تھا حیدرؑ میں
کچھ آساں تو نہیں انساں کا انساں کو خدا کہنا

گدازِ قلب ہے اصلِ جزائے ماتمِ سرور
لگے ہاتھوں اگر جنت بھی مل جائے تو کیا کہنا

یزید اچھا نہ تھا شہ کے غلامو تم مگر کیا ہو
گلہ اپنوں سے ہے شبیر کو غیروں سے کیا کہنا

نہ حاصل ہو سکے الفاظِ تحسیں فکرِ انساں کو
بس اتنا رہ گئی کہہ کر کہ اے شبیر کیا کہنا

مصائب آئے بھی شاؔہد تو میرا کیا بگاڑیں گے
مجھے دشوار کیا ہے یا علیؑ مرتضٰی کہنا

سلام

میں حسینی ہوں تبسم مرا انداز نہیں
سوز ہی سوز مری بزم میں ہے ساز نہیں

اب تو مانو یہ سیاست کی تگ و تاز نہیں
رجعتِ حُر بھی دلوں پر اثر انداز نہیں

کون سمجھائے کہ اے لفظ پرستو! غمِ شاہ
سوزِ دل بھی ہے فقط شعلہ آواز نہیں

شوق بے تاب، نجف دور، وسائل محدود
عزمِ پرواز تو ہے طاقتِ پرواز نہیں

لوگ قرآن کو کافی تو سمجھ لیں لیکن
فہمِ انساں میں جو آجائے وہ اعجاز نہیں

وقت ٹھہرا ہے کہ اکبر کی اذاں سن کے بڑھے
دور تک دشتِ بلا میں کوئی آواز نہیں

ذکر معراجِ محمدؐ کا سناتے ہیں علیؑ
پردۂ راز کی باتیں بھی یہاں راز نہیں

یا حسینؑ آپ کا ذاکر ہوں مرا کیا کہنا
آپ پر ناز ہے خود پر تو مجھے ناز نہیں

سلام

یہ کہنا تو غلط ہوگا کہ دینِ حق فنا ہوتا
مگر ہاں بے حسینؑ اسلام شاید دوسرا ہوتا

منافق جانے کب تک مُحسنِ ایماں بنے رہتے
نہ جہدِ کربلا ہوتی نہ کُھل کر فیصلہ ہوتا

ذرا بھی فرق اگر ہوتا علیؑ میں اور احمدؐ میں
شبِ ہجرت نبیؐ کا راز سب پر کھل گیا ہوتا

میں اکثر سوچتا ہوں زندگی میں غم کے ماروں کو
نہ مل جاتا غمِ شہ کا سہارا اگر تو کیا ہوتا

دکھا دیتے نہ گر عباسؑ وسعت عالمِ دل کی
تو اب جو ہے بہت کم اس سے معیارِ وفا ہوتا

سوالِ زخم ہمشکلِ پیمبرؐ ہے یہ دنیا سے
پیمبرؐ خود شریک کربلا ہوتے تو کیا ہوتا

بس اتنا کہہ کے چپ ہو جاتی تھی لیلیٰ اسیری میں
نہ مر جاتا مرا اکبر تو سر کیوں بے ردا ہوتا

بتا اے نہر اگر تو شہ کے خیموں تک چلی آتی
تو ان بچوں نے تیرا کتنا پانی پی لیا ہوتا

زمیں پر ایک پتہ بھی نہ اگ سکتا قیامت تک
اگر اصغر کا خوں شہ نے نہ منہ پر مل لیا ہوتا

سکینہ سوچتی ہوگی مری ضد نے یہ حالت کی
نہ عمو نہر پر رُکتے نہ کنبہ بے ردا ہوتا

رباب اکثر کہا کرتی تھیں زنداں میں اسیروں سے
کہ بچ جاتا مرا اصغر تو اب چلنے لگا ہوتا

کہا کرتی تھی صغرا یاد کرتے ہی نہیں بھیا
نہ آسکتے تھے ورنہ خود تو خط ہی لکھ دیا ہوتا

سلام

جہاں بھی ظلمتِ باطل نے سر اُبھارا ہے
علیؑ کے چاند زمیں نے تجھے پکارا ہے
غمِ حیات تری یاد کا اشارہ ہے
غمِ حیات مجھے زندگی سے پیارا ہے
سفینہ ڈال دو طوفاں میں لے کے نامِ حسینؑ
پھر اس کے بعد ہر اک موج میں کنارا ہے
شکستِ عزم نہ سمجھو حسنؑ کی خاموشی
بہت بڑے کسی طوفان کا اشارہ ہے
خوشادہ خاک بوپائے حسینؑ تک پہنچی
ہر ایک فدہ جہاں ہے وہیں ستارا ہے
ہمارے شبیرؑ و شبرؑ کو نہ بھول اسلام
ہمارے خوں نے تری نبض کو اُبھارا ہے
غمِ حسینؑ کو آواز دو شکستہ دلو
یہ غم نصیبوں کا سب سے بڑا سہارا ہے
کہو نہ بچ کے نکلنے کو ساتھیوں سے حسینؑ
تمہارے بعد کسے زندگی گوارا ہے
یہ روحِ فکر و نظر ہے وہ زخمِ قلب و جگر
غمِ حسینؑ غمِ زندگی سے پیارا ہے
جواب دے لبِ سرور سے روحِ دینِ خدا
یزید بن کے تجھے کفر نے پکارا ہے
اٹھا کے مشک چلو سوئے شام اے عباس
تمہیں سکینہ نے زندانِ سے پکارا ہے
ملا رہے ہو انہیں خاک و خوں میں کیوں اکبر
وہ زلفیں ماں نے جنہیں رات بھر سنوارا ہے
اٹھو لحد سے بہت رات ہوگئی اصغر
وہ دیکھو خیمے سے ماں نے تمہیں پکارا ہے
ستم کے تیر سے مشکیزہ چھیدنے والے
یہ تیر تو نے سکینہ کے دل پہ مارا ہے

جواب دے دلِ شاہدؔ کو اے خدائے ثبات
بڑے خلوص سے اس نے تجھے پکارا ہے

سلام

دماغ اونچا تھا جبتک سیدہؑ کا گھر نہیں دیکھا
پھر اس تارے نے سوئے آسماں مڑ کر نہیں دیکھا

جوابِ انتخابِ سبطِ پیغمبر نہیں دیکھا
بہتر (۷۲) سے کسی کی فوج کو بہتر نہیں دیکھا

مورخ آمدِ حُر کی اہمیت کو کیا سمجھے
کہ وہ منظر تو دیکھا اس نے پس منظر نہیں دیکھا

گئے عباس سوئے خلد یوں دریا کو ٹھکرا کر
کہ تھوڑی دیر تک تو جنابِ کوثر نہیں دیکھا

جب آیا انقلابِ تازہ، یادِ کربلا اُبھری
کوئی نقش اتنا گہرا قلبِ گیتی پر نہیں دیکھا

نظر نے کربلا میں ثانیِ حیدرؑ کو دیکھا تھا
پھر اس کے بعد تنہا ذات میں لشکر نہیں دیکھا

سرِ شبیرؑ سجدے میں، دعا بہرِ عدو لب پر
کسی کی موت کو یوں زندگی پرور نہیں دیکھا

بظاہر دھوپ میں سرور کو تنہا دیکھنے والے
سرِ اقدس پہ کیا جبریلؑ کا شہپر نہیں دیکھا

یزید آلِ نبیؐ تیرے مٹائے مٹ نہیں سکتے
کبھی قرآں میں تو نے سورۂ کوثر نہیں دیکھا

چٹانیں ٹوٹ تو جاتی ہیں لیکن خم نہیں ہوتیں
کبھی سوئے حکومت آل نے جھک کر نہیں دیکھا

کچھ ایسا دردِ امت تھا دلِ آلِ پیمبر میں
کہ اس منزل پہ زینبؑ نے رخِ اکبر نہیں دیکھا

زمیں پیہم رہی زد پر حوادث کے مگر شاہدؔ
کسی گردش نے سوئے روضۂ سرور نہیں دیکھا

سلام

اب تک غمِ حسینؑ دلِ کربلا میں ہے
اک مستقل کراہ کا عالم فضا میں ہے

سالاریِ حسینؑ کا اعجاز دیکھنا
اک طفلِ شیر خوار بھی فوجِ خدا میں ہے

اب تک گلوئے حق ہے تہِ خنجر یزید
ابتک حسینؑ منزل کرب و بلا میں ہے

عزم و ثباتِ آل محمدؐ کا اختصار
اصغر کی ایک آہِ تبسم نما میں ہے

ہیں کتنے حُر جہاں میں جو طے کرسکیں اسے
وہ فصل یک قدم جو فنا و بقا میں ہے

زاہد فضائے سجدہَ بے روح میں نہ ڈھونڈھ
کوثر علیؑ کی جنبشِ چشم عطا میں ہے

اے بزمِ رنگ و بو، مری بیگانگی معاف
میں کربلا میں ہوں مرا دل کربلا میں ہے

پردہ الٹ کے چہرہَ باطل کا دیکھئے
بدر واحد کا ردِ عمل کربلا میں ہے

شاید قریب ہے مری منزل، مرا نجف
بالیدگی عروج کا عالم فضا میں ہے

سبطِ نبیؐ ہیں یا کہ نبیؐ خود ہیں جلوہ گر
عباس ہیں کہ شیرِ خدا کربلا میں ہے

پرسہ دو ماں کو مومنو بیٹے کی موت کا
زہراؑ شریک مجمع اہلِ عزا میں ہے

محسوس راہِ شام میں ہوتا ہے آج بھی
جیسے صدائے آہِ سکینہ فضا میں ہے

شاہدؔ مے ولا میں ہے اک نشہ دوام
جو کیف ابتداء میں وہی انتہاء میں ہے

سلام

لباسِ دیں میں پھرتا ہے یزیدی کارواں ابتک
کوئی باقی ہے کیا اہلِ وفا کا امتحاں ابتک

تری کاوش کہ باقی ہے حسینؑ اسلام دنیا میں
ترا صدقہ کہ سن لیتے ہیں آوازِ اذاں ابتک

نظر بڑھتی نہیں اموی سیاست کے تقابل سے
نہ پہنچی عظمت شبیرؑ تک فکر جہاں ابتک

حسینؑ اصغر کو لاتے ہیں یقینی موت کی زد پر
خلیلِ کربلا پر ہے سیاست کا گماں ابتک

خیامِ اہلبیتِ شاہ کب کے جل چکے لیکن
ہو ذروں کو چھوتی ہے تو اُٹھتا ہے دھواں ابتک

صدا سنتا تو ہوگا آہِ عابدؑ کی فضاؤں میں
گذرتا ہوگا جب کوفے سے کوئی کارواں ابتک

لبوں پر نام سقائے سکینہ آہی جاتا ہے
وفا کا ذکر چھڑ جاتا ہے اے شاہدؔ جہاں ابتک

سلام

شبیرؑ کو دنیا کی نظر ڈھونڈ رہی ہے
ڈوبے ہوئے سورج کو سحر ڈھونڈ رہی ہے

کچھ اور ابھی دل میں اتارو غمِ شبیرؑ
پلکوں کی تری خونِ جگر ڈھونڈ رہی ہے

وافی نہیں کیا بہرِعلیؑ قول پیغمبرؐ
کیا اب بھی خرد علم کا درد ڈھونڈ رہی ہے

کچھ لوگوں کے گھر خود ہی چلے آتے ہیں تارے
دنیا رہِ مریض و قمر ڈھونڈ رہی ہے

اس دورِ یزیدی میں تجھے سبطِ پیمبرؐ
پامالیِ تکریم بشر ڈھونڈ رہی ہے

اشکوں کو سجائے رکھیں پلکوں پہ عزادار
ان اشکوں کو اک ماں کی نظر ڈھونڈ رہی ہے

گذرے تھے کبھی کوفے سے کچھ برہنہ سر بزرگ
صدیوں سے انہیں گردِ سفر ڈھونڈ رہی ہے

اے شہ کے علم تیرا علم دار کہاں ہے
عباسؑ کو بچوں کی نظر ڈھونڈ رہی ہے

اک باپ نے رو رو کے جسے دفن کیا تھا
اب تربیت بے شیردہ سر ڈھونڈ رہی ہے

سلام

نمازیں ڈھونڈتی ہیں سجدۂ سرور نہیں ملتا
اذانیں رو رہی ہیں لہجہ اکبر نہیں ملتا

ہے بت بننا تو آساں بت شکن یکسر نہیں ملتا
خدا ملتے ہیں لاکھوں ایک بھی حیدرؑ نہیں ملتا

جو کہتے ہیں کہ دنیا میں کہیں کوثر نہیں ملتا
انہیں کیا ایک بھی آلِ نبیؐ کا گھر نہیں ملتا

نہیں اس سے بڑا کوئی سہارا غم نصیبوں کو
بڑے بدبخت ہیں جن کو غمِ سرور نہیں ملتا

وہ مومن ہیں ابو طالب کہ جس سے یہ بگڑ جائیں
پھر اس سے بانی اسلام کا گھر بھر نہیں ملتا

وہ گہرا طنز اجل پر خشک ہونٹوں کے تبسم کا
شہیدوں کی صفوں میں دوسرا اصغر نہیں ملتا

مٹانے والے تاریخوں سے زینبؑ کے فسانے کو
تجھے کیا نقش ان کا قلبِ مومن پر نہیں ملتا

جوارِ دامنِ آلِ عبا، معیارِ عظمت ہے
یہاں بے قلب طاہر گوشہ چادر نہیں ملتا

کبھی زینبؑ نے وحشی کہہ دیا تھا شام والوں کو
ابھی تک اس زمیں پر صاحب جوہر نہیں ملتا

ریا کے داغ دھو ڈالے غم سرور کے اشکوں نے
کوئی دھبہ عزاداروں کے دامن پر نہیں ملتا

دلوں کے فاصلے کم ہوں یہ ہے مفہوم قربت کا
قریب آبیٹھنے سے قرب پیغمبر نہیں ملتا

جسے حاصل ہو قدرت گردنِ حق قطع کرنے پر
تلاشِ بازوئے باطل کو وہ خنجر نہیں ملتا

حسینؑ اور تجھ کو محشر میں نہ پہچانیں یہ ناممکن
کوئی اپنوں سے شاہدؔ اجنبی بن کر نہیں ملتا

سلام

مرضیِ معبود کا مظہر ہے جو اقدام ہے
اسوۂ شبیرؑ شرحِ فطرت اسلام ہے

زیرِ خنجر سر ہے اور لب پر خدا کا نام ہے
دیکھ اے دنیا سوئے شبیرؑ یہ اسلام ہے

زعمِ باطل پھر حریفِ سطوت اسلام ہے
کربلا والو ہمیں کیا حکم کیا پیغام ہے

اور میداں ڈھونڈ ابھی سے تھک گیا اے پائے ظلم
کربلا تو بہرِ سرورِ زحمت یک گام ہے

کم سے کم ذکرِ حسینؑ ابن علی ہو تو رُکے
گردشِ ایام آخر گردشِ ایام ہے

منکرانِ عظمتِ شبیرؑ بابِ عزم میں
دیکھنا تاریخ کے ہونٹوں پہ کس کا نام ہے

ہیں کچھ ایسے بھی نظر نا آشنا جن کے لئے
کربلا صرف ایک میداں ہے حسینؑ ایک نام ہے

دیکھئے تو ہے اک امر اتفاقی کربلا
سوچئے تو گوشہ گوشہ روحِ صد پیغام ہے

جادۂ حق میں بدل جاتی ہیں اقدارِ حیات
زخم اس منزل میں مرہم ہے خلش آرام ہے

وقت بدلا، دور بدلا، ذکر شہ جاری رہا
جیسے یہ غم بھی شریک گردشِ ایام ہے

اک حیاتِ تازۂ اسلام ہے مرگِ حسینؑ
اک نئی تاریخ کا آغاز یہ انجام ہے

چومتے ہیں گردنِ سرور کو رہ رہ کر نبی
نقطہ آغاز میں عکسِ رخِ انجام ہے

ہے الگ دنیا سے اے شاہدؔ مے حُب علیؑ
دل کی ہر دھڑکن میں آوازِ شکستِ جام ہے

سلام

حرم کیا ہے، عبادت کس کو کہتے ہیں، خدا کیا ہے
یہ سب کچھ جان لو گے یہ سمجھ لو کربلا کیا ہے

شبِ ہجرت میں حیدر کربلا میں ثانیِ حیدرؑ
سرِ تاریخ انساں اور معیارِ وفا کیا ہے

نبی زادے پوچھو کتنی دنیائیں گذاری ہیں
مدینے سے بظاہر کربلا کا فاصلہ کیا ہے

وہ میزانِ حیا میں تولتے ہیں بنت زہرا کو
جنہیں یہ بھی نہیں معلوم مفہوم حیا کیا ہے

حیاتِ عیش باطل، موت برحق، فیصلہ آساں
وہ ہیں اے حُر شہ بیکس کے خیمے سوچتا کیا ہے

گئے عباس تو دو گام تھا لوٹے تو بے پایاں
نہ جانے نہر سے خیمے کے در تک فاصلہ کیا ہے

فضا میں کربلا کا ایک سجدہ جگمگا اُٹھا
جنہیں پوچھتی تھیں بندگی کی انتہاء کیا ہے

چھدی اصغر کی گردن اور دنیا چپ رہی شاہدؔ
نہ نکلا ایک لب سے بھی کہ بچے کی خطا کیا ہے

سلام

زندگی کی سب سے پہلی کاوش بغیر تمیم ۱۹۳۱ء

قبر میں خاکِ شفا وجہِ شفاعت ہوگئی
ایک مٹھی خاک یوں پھیلی کہ جنت ہوگئی

الفتِ آلِ نبی وجہِ شفاعت ہوگئی
لو محبت جس کو کہتے ہیں شریعت ہوگئی

میرے آنسو جانِ کوثر میرا غم روحِ نشاط
جس زمیں کو میں نے چاہا رشک جنت ہوگئی

کیا عجب گر لوٹ آیا اس کی خاطر آفتاب
جس کی ہر مرضی عناں گیرِ مشیت ہوگئی

رن میں ہم شکل نبیؐ تصویرِ حیدرؑ بن گئے
جب نبوت غیظ میں آئی امامت ہوگئی

میں نے ہر غم میں غمِ شہ کا تصور کرلیا
میں نے جب چاہا مصیبت خود مسرت ہوگئی

اور کس سے اب غمِ فرزند میں اُمید صبر
شہ سے صابر کی جب اس میں غیر حالت ہوگئی

لیجئے ہم نے غمِ شبیرؑ کو اپنالیا
زندگی بھر کو غمِ دنیا سے فرصت ہوگئی

سلام

ہر غم میں تیرے غم نے توفیق صبر دی ہے
تیرے کرم کا صدقہ مولیٰ مری خوشی ہے

یثرب کی بندشوں سے طوفانِ کربلا تک
تیرا ہر ایک سجدہ تاریخی بندگی ہے

ہم پستی مجسم، تو رفعتِ سراپا
اک ہم بھی آدمی ہیں اک تو بھی آدمی ہے

عزمِ شہید غم نے فطرت بدل کے رکھ دی
اب غم سکونِ دل ہے اب موت زندگی ہے

کتنے شہید پہنچے اس مرکزِ کشش تک
تیری تو ہر نظر ہی تاریخ بن گئی ہے

جو تیری کاوشوں کو تدبیر خام سمجھے
کاش ان کو علم ہوتا کیا شے خود آگہی ہے

فکر و عمل کی حد سے جد و عمل کی زد تک
تیری نگاہِ فیصل معیارِ آگہی ہے

نیزے پہ تیرے سر کی معجز نما گواہی
اثباتِ ذات حق پر برہان آخری ہے

بڑھتی رہیں گی عقلیں کھلتے رہیں گے جوہر
ذہنِ بشر کو تو نے وہ فکر بخش دی ہے

پھر سر اُٹھا رہا ہے فتنہ یہودیت کا
آقا تری ضرورت محسوس ہو رہی ہے

شمر و یزید بننا کس کو پسند شاہدؔ
شبیرؑ سے عداوت اقدامِ خود کشی ہے

سلام

کس کی ہمت تھی کہ اس راہ گذر سے گذرے
مسکراتے ہوئے شبیرؑ جدھر سے گذرے

فکرِ شبیرؑ کی حدِ چشمِ بشر سے گذرے
پورا قرآن اگر ایک نظر سے گذرے

موت قدموں کے نشان ڈھونڈ رہی ہے ابتک
کربلا والے خدا جانے کدھر سے گذرے

کربلا صبر کی تلوار ہے، تلوار کا صبر
لاش اپنی جو کچل لے وہ ادھر سے گذرے

چھڑ گیا تھا کہیں شبیرؑ کا قصہ شاید
ابھی روتے ہوئے کچھ لوگ ادھر سے گذرے

علی اصغر ترے سوکھے ہوئے ہونٹوں سے چلا
ایک سیلاب جو تاریخ کے سر سے گذرے

سوچتا یہ ہوں کہ جب نہر سے لوٹے عباسؑ
کتنے بچھرے ہوئے جذبوں کے بھنور سے گذرے

کتنی دنیاؤں کو طے کر گئے تا عصر حسینؑ
ایک اک سانس میں صدیوں کے سفر سے گذرے

اسے کہتے ہیں شہادت اسے کہتے ہیں نظر
راہ بنتی گئی شبیرؑ جدھر سے گذرے

کس کو معلوم مرے اشکِ عزا کی قیمت
دل کے ٹکڑے تھے جو یوں دیدۂ تر سے گذرے

ڈال دیجئے رُخِ اصغرؑ پہ عبا اے شبیرؑ
زخمِ گردن نہ کہیں ماں کی نظر سے گذرے

وہی کرسکتا ہیے اندازۂ کربِ اکبر
پیاس میں تو نوک سناں جسکے جگر سے گذرے

تھی یہ صغرا کی صدا خط مرا لیتا جائے
کربلا جاتے ہوئے جو بھی ادھر سے گذرے

ہے دعا لب پہ کہ ہنگامِ ظہور اے شاؔہد
میرے مولٰی کی سواری مرے گھر سے گذرے

سلام

ذکر آئے گا محشر میں زینبؑ تری چادر کا
چھینٹا کوئی دے لینا خونِ علی اصغرؑ کا

اللہ! وہ کچھ پیاسے طغیان وہ لشکر کا
منہ پھیر دیا کیونکر قطروں نے سمندر کا

تاریخ کے ہونٹوں پر یوں ذکر ہے اصغر کا
بچے کی نظر اُٹھی منہ پھر گیا لشکر کا

احسان ہے انساں پر زہراؑ ترے گھر بھر کا
فرزنوں کا، بیٹی کا، ماں باپ کا، شوہر کا

شکوہ کوئی کیا پہنچے شبیرؑ کے ہونٹوں تک
دشمن کو دعا دینا کردار ہے اس گھر کا

باطل کی قضا بن کر شبیرؑ کا خوں اُبھرا
آ کر رگِ گردن تک رُخ مڑ گیا خنجر کا

عباس کا پرچم ہے میزان سے کوثر تک
اب فاصلہ ہی کیا ہے ہم لوگوں سے کوثر کا

ہر منزل ہستی پر شبیر نظر آئے
ہر موڑ پہ تاباں تھا غم سبطِ پیمبرؐ کا

عباسِ دلاور کو تحریص نہ دے زر کی
اے شمر! یہ بیٹا ہے آقائے ابو ذر کا

ہم نے تو جبیں رکھ دی شاہدؔ درِ حیدرؑ پر
مل جائے گا آقا سے جو کچھ ہے مقدر کا

سلام

نہ زحمت کوئی زحمت ہے، نہ مشکل کوئی مشکل ہے
حسینی ازم رہبر ہو تو ہر طوفان ساحل ہے

میانِ لفظ و معنی وادیِ پُرخار حائل ہے
ثنا شبیرؑ کی آسان ہے تقلید مشکل ہے

حسینؑ ابنِ علیؑ ہے نام اس نورِ مکمل کا
نظر ہے جس کی جادہ اور نظر کی حد پہ منزل ہے

جہادِ کربلا تک غزوۂ احزاب آ پہنچا
پسر ایمانِ کُل کا کُل باطل کے مقابل ہے

علیؑ کی ضرب افضل ہے عباداتِ دو عالم سے
مگر وہ سجدۂ آخر جو اس ضربت کا حاصل ہے

شہیدِ حق ہے زندہ آج بھی بیدار ذہنوں میں
نہ وہ فوجیں رہیں باقی نہ خنجر ہے نہ قاتل ہے

یزید و شمر بننا کون چاہے گا زمانے میں
ترا قاتل حسینؑ ابن علیؑ خود اپنا قاتل ہے

ہے فریادِ پیمبرؐ لہجہ اکبر کی لرزش میں
اذاں کے زیرو بم میں شکوۂ بیدادِ قاتل ہے

یزیدی فوج فکرِ حُر کی گہرائی کو کیا سمجھے
جہاں ہر سانس میں اک عمر گذرے یہ وہ منزل ہے

یہ تیرِ ظلم کیا ہے چیر ڈالیں کلمہ اژدر
علی اصغر کے سینے میں خدا کے شیر کا دل ہے

ہٹا گر اک قدم بھی مسلکِ سبط پیمبر ہے
تو پھر گمراہی پیہم ہے جادہ ہے نہ منزل ہے

سلام

دیکھتا رہتا ہوں شب بھر روضۂ شبیرؑ کا
جانے کب قسمت ملائے خواب سے تعبیر کو

دل کے ٹکروں میں چھپائے حسرتِ تعمیر کو
دین کب سے تک رہا ہے وارثِ شبیرؑ کو

پھر اُٹھا ہے تختِ شاہی دین کی تحقیر کو
کربلا کے بعد بھی سمجھا نہیں شبیرؑ کو

وہ کھنچی بن کر تبسم خشک ہونٹوں کی کمان
رک سکے تو روک لے اے حُر ملا اس تیر کو

واقعہ یہ ہے کہ ہم خود ہیں غم شبیرؑ تک
اپنے دم تک ہم سمجھتے تھے غم شبیرؑ کو

بٹ گیا اسلام فرقوں میں تو یہ کس کا قصور
کیوں کیا تھا رد نبیؐ کی خواہشِ تحریر کو

شرط یہ ہے اس سے لغزش کا کوئی امکان نہ ہو
منطبق کرلو کسی پر آیہ تطہیر کو

پوچھتا ہے نقش کارِ دیں سے یہ عزم حسینؑ
کتنا خوں درکار ہے رنگینی تصویر کو

سج گئے جا کر دلوں میں جو عزا خانے جلے
یہ دھواں کیا روک سکتا روح کی تنویر کو

صرف اک ہم نام ہے تیرا سو وہ غیبت میں ہے
اب ملائیں کس کی صورت سے تیری تصویر کو

ہے اسی کے سر کا حق تاجِ غلامیِ حسینؑ
کہہ سکے تقصیر تیغوں میں بھی جو تقصیر کو

مانگتی ہیں دین کی نبضیں شفا بیمار سے
چومتی ہے حُریت اک پاؤں کی زنجیر کو

اللہ اللہ قوتِ ایمانِ ضربِ حیدری
اپنے شانوں پر لئے ہے سجدۂ شبیرؑ کو

خونِ اکبر میں جو اسمٰعیل کی دیکھی شبیہ
پیار سے دیکھا خلیل اللہ نے شبیرؑ کو

بات تو جب ہے ہمیں شبیرؑ خود اپنا کہیں
کیا ہوا اگر ہم نے اپنا کہہ دیا شبیرؑ کو

جب بھی سمجھے گا وہ شاہدؔ اس میں میری بہتری
خود بدل دے گا مرا مولا مری تقدیر کو

سلام

چلو پلکوں پہ خونِ دل سجا کے صدا دیتے ہیں ذرے کربلا کے
شہیدوں نے اجل پر مکسرا کے بدل کر رکھ دیئے معنی فنا کے
محمدؐ تا محمدؐ، کل محمدؐ کسی سے دیکھ لو صورت ملا کے
بجھا دیں شمع سرور کون اُٹھے گا یہ سب بیٹھے ہیں شمعِ دل جلا کے
نہ جانے کیا نظر آیا علیؑ میں خدا کہنے لگے بندے خدا کے
گلے پر روک کر اصغر نے پیکاں سوئے شبیرؑ دیکھا مسکرا کے
چلی ہیں سوئے ارضِ ظلم زینبؑ حسینی عزم کے تیور سجا کے
ابو طالبؑ، علیؑ، عباسؑ زینبؑ مدارج ہیں یہ آدابِ وفا کے
رباب اصغر چلے، جھولا بڑھاؤ یہ کیا لوٹیں گے اب میداں میں جاکے
چھٹا یا کوئی قیدی مر گیا آج کھلے کیوں در یہ زندانِ بلا کے
نیا جوڑا نکالو اُم لیلیٰ کہ اکبر آئے ہیں خوں میں نہا کے
چچا سے روٹھی بیٹھی ہے سکینہ کہ لوٹے ہی نہیں دریا پہ جاکے
لعین بھر بھر کے پانی پھینکتے ہیں بھرے کوزے اسیروں کو دکھا کے
علیؑ کا گھر علیؑ کا گھر ہے آخر رُلا دیتے ہیں بچے مسکرا کے

ہوئی شاہدؔ کو معراجِ مودت
تصدق میں شہید کربلا کے

نوحے

شامِ غریباں

وہ کربلا، وہ شام غریباں، وہ تیرگی
وہ زینب حزیں وہ حفاظت خیام کی
وہ اک سوار سوئے خیامِ حرم بڑھا
بڑھ کر وہ باگ دختر حیدرؑ نے تھام لی
الٹا نقاب چہرے سے اپنے سوار نے
پیشِ نگاہِ زینبِ مظلوم تھے علیؑ
ہر چند صابرہ تھی بہت بنتِ فاطمہ
بے ساختہ لبوں پہ یہ فریاد آگئی

زینب نے کہا باپ کے قدموں سے لپٹ کر
اب آئے ہو بابا
جب لٹ گیا پردیس میں اماں کا بھرا گھر
اب آئے ہو بابا

بابا اگر آنا ہی تھا گلزارِ جناں سے
اس وقت نہ آئے
جب خاک پہ دم توڑ رہا تھا مرا اکبر
اب آئے ہو بابا

جب خاک پہ کٹ کٹ کر گرے بازوئے عباسؑ
اور کوئی نہ تھا پاس
اس وقت صدا آپ کو دیتا تھا دلاور
اب آئے ہو بابا

جب فرش زمیں، بام فلک لرزہ بجاں تھے
اس وقت کہاں تھے
جب باپ کے چلو میں تھا خونِ علی اصغر
اب آئے ہو بابا

جب بھائی کا سر کٹتا تھا، میں دیکھ رہی تھی — حضرت کو صدا دی
سر کھولے ہوئے روتی تھی میں خیمے کے در پر — اب آئے ہو بابا

جب لوگ بچا لے گئے لاشے شہداء کے — حق اپنا جتا کے
صرف اک تنِ سرور بچایا مالی کی زد پر — اب آئے ہو بابا

جب شام کے قزاق ہمیں لوٹ رہے تھے — خیموں کو جلا کے
آپ آگئے ہوتے تو نہ چھنتی مری چادر — اب آئے ہو بابا

جب بالی سکینہ کے گہر چھینے گئے تھے — لگتے تھے طمانچے
حسرت سے مجھے دیکھتی تھی بانوئے مضطر — اب آئے ہو بابا

کیا آپ نے فردوس سے یہ دیکھا نہ ہوگا — کیا حشر بپا تھا
جب پشت سے بیمار کی کھینچا گیا بستر — اب آئے ہو بابا

اک رات کے مہمان ہیں پھر قیدِ سلاسل — اب آنے سے حاصل
بازار میں ہم صبح کو جائیں گے کھلے سر — اب آئے ہو بابا

شاہدؔ رخِ حیدرؑ پہ بکھر جاتے تھے آنسو — جب کھول کے گیسو
چلاتی تھی زینب مرے بابا، مری چادر — اب آئے ہو بابا

ہائے سیدہ

زینب یہ ماں کی لاش پہ کہتی تھی بار بار ۔اماں کہاں چلیں
دیوار و در اداس ہیں گھر بھر ہے سوگوار ۔ اماں کہاں چلیں
حجرے کے پاس بیٹھی ہے کلثوم دیر سے۔ لے لیجئے اسے
کرتی ہے کب سے گود میں آنے کا انتظار۔ اماں کہاں چلیں
بھیا حسن خموش ہیں شبیر اداس ہیں۔ بابا کے پاس ہیں
دونوں کے اشک پونچھتے ہیں شاہ ذوالفقار۔اماں کہاں چلیں
ہم روٹھتے تھے آپ تو ہوتی نہ تھیں خفا۔ اب کیا سبب ہوا
ہم رو رہے ہیں آپکی خفگی ہے برقرار۔اماں کہاں چلیں
اماں ہمارے کپڑے جو دھوئے تھے آپ نے۔ہم نے پہن لئے
کیوں ہم کو لے کے گود میں کرتی نہیں ہیں پیار۔اماں کہاں چلیں
نانا کا ذکر سنتے تھے دن بھر ہم آپ سے۔تسکین پاتے تھے
راتوں کو کون روئے گا اب ہو کے بیقرار۔ اماں کہاں چلیں
اماں ابھی تو آپ تھپکتی تھیں پیار سے۔ آغوش میں لئے
کیسے کریں ہم آپ کے مرنے کا اعتبار۔اماں کہاں چلیں
تنہا تو آپ نے ہمیں چھوڑا نہ تھا کبھی۔ اب بات کیا ہوئی
کیوں جارہی ہیں چھوڑ کے ہم کو بیقرار۔ اماں کہاں چلیں

شاہد زمیں لرزتی تھی روتا تھا آسماں۔ ہر لب پہ تھی فغاں
کہتی تھی جب تڑپ کے یہ زینب جگر فگار۔ اماں کہاں چلیں

غمِ تنہا

چھوڑتا نہیں ہم کو کربلا کا غمِ تنہا
ورنہ چل نہیں سکتے ہم تو دو قدم تنہا

شاہ کے عزدارو تم کو خوفِ محشر کیا
ضامنِ شفاعت ہے ایک اشکِ غم تنہا

پھر کوئی غمِ دنیا اس کو چھو نہیں سکتا
بخش دے جسے مالک کربلا کا غم تنہا

آج بھی غمِ شہ پر کتنے طنز ہوتے ہیں
بت کدوں کی زد پر ہے آج بھی حرم تنہا

سو گئے کہاں عباس وقت ہے طلائے کا
کب سے راہ تکتے ہیں دشت میں حرم تنہا

لٹ چکے حرم شہ کے رات آگئی سر پر
اب تو چھوڑ دیں ان کو بانیِ ستم تنہا

وہ چلے حرم شہ کے ننگے سر سوئے کوفہ
آگے آگے اونٹوں کے اک اسیرِ غم تنہا

باندھ دے کوئی اس میں ایک مشک چھوٹی سی
سُونا سُونا لگتا ہے پنجہ علم تنہا

چشمِ وقت شاہد ہے ہم حسینؑ والے ہیں
ہر یزید کی زد پر ہم رہے ہیں ہم تنہا

میں کیا کروں

کہتی تھی رو کے زینبِ مضطر میں کیا کروں
خیمے جلا رہے ہیں ستمگر میں کیا کروں

سر سے مرے اُترتی ہے چادر میں کیا کروں
عباس کیا کروں علی اکبر میں کیا کروں

بھیا حرم کو کر کے گئے ہیں میرے سپرد
اب وہ حرم ہیں ظلم کی زد پر میں کیا کروں

بچوں کو تازیانوں سے کیسے بچاؤں میں
بن جاؤں کیسے بیروں کی چادر میں کیا کروں

بے بس رباب تکتی ہے کس درد و یاس سے
جلتا ہے گاہوارۂ اصغر میں کیا کروں

ظالم بڑھے ہیں جانبِ سجادِؑ ناتواں
کھینچیں گے اب مریض کا بستر میں کیا کروں

بچی کی سمت کتنے لعینوں کی ہے نظر
کیسے بچیں سکینہ کے گوہر میں کیا کروں

گھوڑوں کے سم کچلتے رہے میری روح کو
پامال ہوگیا تن سرور میں کیا کروں

لاشے پڑے ہیں رن میں شہیدوں کے بے کفن
اب تو نہیں ہے سر پہ بھی چادر میں کیا کروں

بچوں کا ساتھ، گھور اندھیرا، بلا کا بن
خیمے جلے ہیں رات ہے سر پر میں کیا کروں

ظالم یہ کہہ رہے ہیں کہ دربارِ شام تک
جائیں گے کل اسیروں کو لیکر میں کیا کروں

اے کربلا

تجھ پہ آلِ پیمبر کا خوں بہہ گیا
اور تو چپ رہی تو نہ تڑپی ذرا
حشر میں منہ نبیؐ کو دکھائے گی کیا
کربلا، کربلا، کربلا، کربلا
تجھ پہ عون و محمد کی لاشیں گریں
چشم زینب میں بچوں کی شکلیں پھریں
تو نہ اُبھری کہ ماں دیکھ لیتی ذرا
کربلا، کربلا، کربلا، کربلا
لاشِ قاسم کو گھوڑے کچلتے رہے
خوں کے سوتے رگوں سے اُبلتے رہے
اور ترا دشت وہ خون پیتا رہا
کربلا، کربلا، کربلا، کربلا
کاش خیمے تک آجاتی بہہ کر فرات
یوں نہ کٹتے سر راہِ سقے کے ہاتھ
یوں سسکتا نہ بچوں کا سوکھا گلا
کربلا، کربلا، کربلا، کربلا
لاش اکبر کی تجھ پر تڑپتی رہی
اور زمیں تیری کرنوں سے تپتی رہی
ایک اک ذرہ نوک سناں بن گیا
کربلا، کربلا، کربلا، کربلا
تو نے اصغر کو دیکھا بلکتے ہوئے
یاس سے باپ کے منہ کو تکتے ہوئے
تیرے دریا کا پانی چھلکتا رہا
کربلا کربلا، کربلا، کربلا
لاش شبیرؑ پامال ہوتی رہی
ایک ماں کیسی حسرت سے روتی رہی
اور بیٹی پہ روتے رہے مصطفےٰؐ
کربلا، کربلا، کربلا، کربلا

تجھ پہ لٹتے رہے مصطفےٰ کے حرم
تیرے ذرّے ہی بن جاتے ان کی رِدا
کاش کھلتے نہ بیووں کے سر کم سے کم
کربلا، کربلا، کربلا، کربلا

تجھ پہ آل پیمبر کے خیمے جلے
تارے روتے رہے چاند روتا رہا
رات بیووں نے کاٹی فلک کے تلے
کربلا، کربلا، کربلا، کربلا

تو نے بیمار کی وہ کراہیں سنیں
روح کی چیخ تھی جن کی دھیمی صدا
جن میں احساس کی برچھیاں جذب تھیں
کربلا، کربلا، کربلا، کربلا

تو نے دیکھا اسیروں کو جاتے ہوئے
ایک رسّی میں چھوٹا بڑا ہر گلا
سر کے بالوں سے منہ کو چھپاتے ہوئے
کربلا، کربلا، کربلا، کربلا

اب ترے خاک اُڑانے سے کیا فائدہ
حشر تک تو ہے اب اور اشکِ مزا
میتیں رہ گئیں قافلہ جا چکا
کربلا، کربلا، کربلا، کربلا

زینبؑ

یہ کربلا ہے، وہ کوفہ، وہ شام ہے زینبؑ — حسینؑ جا چکے اب تیرا کام ہے زینبؑ
خطیبِ منبرِ ذکرِ امام ہے زینبؑ — حسینیت کی بقائے دوام ہے زینبؑ
زبانیں کیا ہیں دلوں کو نہ پیس دے تو سہی — خدا کے شیر کا زورِ کلام ہے زینبؑ
جو آج تک تھی بتول، آج بن گئی عباس — طلایہ دارِ خیامِ امام ہے زینبؑ
یزید اس سے نہ ٹکرا یہ تخت اُلٹ دے گی — حسینیت کا مکمل نظام ہے زینبؑ
یہاں تو تو ہی علی بھی ہے اور حسینؑ بھی ہے — یہ کربلا نہیں بازارِ شام ہے زینبؑ
حسینؑ اب نہیں لیکن جہاد جاری ہے — یہاں سے کبر و بلا تیرا نام ہے زینبؑ
اسی کے نقشِ کفِ پایہ قافلہ ہے رواں — عزائے سبط نبی کی امام ہے زینبؑ
غمِ حسینؑ بھی باقی ہے، ہم بھی باقی ہیں — یہ تیرا صدقہ، ترا اہتمام ہے زینبؑ

تڑپ رہا ہے مرے دل میں کب سے ایک سوال
کہ کیا غلاموں میں شاہدؔ کا نام ہے زینبؑ

نوحہ

کیوں بالی سکینہ چپ کیوں ہو کوزہ بھی تمہارے پاس نہیں
کیا عمو پانی لے آئے یا باقی کوئی آس نہیں
شبیر ہوں یا ان کے ساتھی سب مرضی حق پر شاکر ہیں
جینے کی کوئی تحریص نہیں مرنے کا کوئی وسواس نہیں
اصغر تک تیر کی صورت میں کوثر کی موجیں آ پہنچیں
ہونٹوں پر تبسم رقصاں ہے اب تک تو رہی اب پیاس نہیں
کیا لوٹنے آئے ہو لوگو ان اہلِ حرم کے خیموں سے
ان کی تو بضاعت آنسو ہیں لعل و گہرد الماس نہیں
یہ شامِ غریباں کا عالم یہ دشتِ بلا یہ تنہائی
آواز کسے دیں اہلِ حرم اب کوئی وارث پاس نہیں
خیمے کی حفاظت لازم ہے تا صبح طلا یہ دینا ہے
تم خود ہی اُٹھو اے بنتِ علی اب کل کی طرح عباس نہیں
زینب ہیں محاذ کوفہ پر تقریر سے سر کرنی ہے مہم
اب حفظِ دین کی منزل ہے اب غم کا کوئی احساس نہیں

میں کیا کروں

ہماری فکر کا محور حسینؑ ہائے حسینؑ
نظر میں دل میں زباں پر حسینؑ ہائے حسین
یہ نعرہ عزم بھی ہے آگہی بھی قوت بھی
یہ نعرہ دین بھی دنیا بھی ہے شریعت بھی
ہر ایک نعرے سے بہتر حسینؑ ہائے حسینؑ
ہمارے قوم اسی درد کی بدولت ہے
دعائے بنتِ نبیؐ ضامنِ حفاظت ہے
ہماری لوحِ مقدر حسینؑ ہائے حسینؑ
یہ مجلسیں، یہ عزاداریاں جلوس و علم
ہیں احتجاجِ مسلسل خلافِ ظلم و ستم
ہر ایک ظلم کی رو پر حسینؑ ہائے حسینؑ
ہمارے ہونٹوں کی معراج داستانِ الم
ہمارے ہاتھوں کا مصروفِ حسینؑ کا ماتم
ہماری روح کے لب پر حسینؑ ہائے حسینؑ
یہ ہیں شعور کے نعرے یہ آگہی کی صدا
کہ آئے جب کوئی مشکل تو یا علیؑ کی صدا

جہاں ہو ظلم سے ٹکر حسینؑ ہائے حسینؑ

ہے خاکِ کرب و بلا کی ضیا جبینوں پر
تو داغِ ماتم سرور کا نور سینوں پر

چمکتے ہیں مہ و اختر حسینؑ ہائے حسینؑ

وہ جس کو کعبہ حق میں بھی مل سکی نہ اماں
ہے آج ہر دل زندہ اس اجنبی کا مکاں

صدا بلند ہے گھر گھر حسینؑ ہائے حسینؑ

ہماری سمت بڑھی جب بھی گردشِ ایام
لبوں پہ آگیا بے ساختہ حسین کا نام

فضا بدل گئی سن کر حسینؑ ہائے حسینؑ

یہ نعرہ آج بھی ہر درد کی دوا بن جائے
ہزار راہ میں کانٹے ہوں راستہ بن جائے

اگر خلوس ہو رہبر حسینؑ ہائے حسینؑ

زباں کے ساتھ یہ لازم ہے دل بھی ہو شامل
نہ ہو خلوص تو یہ شور و شین لا حاصل

کہ دل میں کچھ نہیں لب پر حسینؑ ہائے حسینؑ
حسینؑ جانِ پیمبر حسینؑ ہائے حسینؑ

حسینؑ صبر کا پیکر   حسینؑ ہائے حسینؑ

جگر کے ٹکڑے رضا لے کے رَن کو جاتے رہے
حسینؑ شکر بہ لب دل پہ زخم کھاتے رہے

فغاں نہ آسکی لب پر   حسینؑ ہائے حسینؑ

عبا میں بھر لئے قاسم کے لاش کے ٹکڑے
مگر نہ گرنے دیا کوئی اشک پلکوں سے

پہاڑ گر گئے دل پر   حسینؑ ہائے حسینؑ

ہزار رَن کی رضا مانگتے رہے عباس
مگر امام کو تھا اُمتِ رسولؐ کا پاس

رضا نہ دے سکے سروَر   حسینؑ ہائے حسینؑ

جوان بیٹے نے کھائی سنان کلیجے پر
خدا کے سجدے میں دیکھا زمیں نے باپ کا سر

نگاہِ وقت تھی ششدر   حسینؑ ہائے حسینؑ

فضا میں چھائے تھے ہر سمت ظلم کے سائے
حسینؑ جھولے سے اصغر کو رَن میں لے آئے

تڑپتی رہ گئی مادر   حسینؑ ہائے حسینؑ

ہر اک شہید کی میت اٹھا کے لائے حسین
مگر رہا نہ کوئی بعدِ عصر ہائے حسین
نہ آیا لاشہ سرورؑ حسینؑ ہائے حسینؑ

ہے اک سوال شہ خاص و عام کی میت
وہ تپتی ریت، وہ بن اور امام کی میت
یہ قدرِ سبطِ پیمبر حسینؑ ہائے حسینؑ

گئے حسین تو شاہدؔ کچھ اور ظلم بڑھا
جلے خیام، لٹے اہلبیت، حشر ہوا
بہن کی چھن گئی چادر حسینؑ ہائے حسینؑ

''الوداع''

چھٹ کے شام سے آئی ہے بہن ساتھ لائی ہے آپ کا کفن الوداع......
سن تو لیجئے کیا گزر گئی در بہ در بہن ننگے سر گئی الوداع......
جب رواں تھے ہم غم کی راہ میں کتنے تیز تھے ہر نگاہ میں الوداع......
عابدؑ مریض بن کے سارباں کیسے چل سکا کیا کروں بیاں الوداع......
درد و کرب کی کوئی حد بھی ہے قید خانے میں اک لحد بھی ہے الوداع......
اب یہاں سے ہم گھر کو جائیں گے کیسے سب کو واں منہ دکھائیں گے الوداع......
آپ تو رہے یاں مزار میں اک مریضہ ہے انتظار میں الوداع......
وہ یہ پوچھے گی سب رہے کہاں اس غریب سے کیا کریں بیاں الوداع......
کانپا آسماں ہل گئی زمیں کہتی تھی یہ جب زینبِ حزیں الوداع......

نوحہ

خدا جانے اُٹھی شبیر سے لاشِ پسر کیونکر
حرم تک لائی یہ کوہِ گراں ٹوٹی کمر کیونکر

یہ کم عمری کبریٰ پوچھتی ہے لاش قاسم سے
گذرے گی دلہن اس بیوگی میں عمر بھر کیونکر

علی اصغر سے، گہوارے سے، نوکِ تیر سے پوچھو
کہ فریادِ امام وقت کرتی ہے اثر کیونکر

نہ صرف اپنا سبھی اپنوں کے سر قرباں ہوتے ہیں
کوئی شبیرؑ سے پوچھے مہم ہوتی ہے سر کیونکر

جلے خیمے، کھلے سر، گھور اندھیرا، دور تک لاشیں
نہ جانے ہوسکی شامِ غریباں کی سحر کیونکر

رسن بستہ کھلے سر کربلا سے شام جانا ہے
الٰہی راستہ کرلیں یہ قیدی مختصر کیونکر

اسیرو، شام ے زنداں میں چھت بھی تو نہیں سر پر
بسر کرتے ہو شب کس طرح ہوتی ہے سحر کیونکر

مسلسل خوں کے قطرے لکھ گئے ہیں ریگ صحرا پر
کہ اک بیمار نے کاٹی یہ راہِ پُر خطر کیونکر

تڑپ کر مر گئی تجھ میں سکینہ خانہ زنداں
تعجب ہے رہے قائم ترے دیوار دور کیونکر

ہیں ماں کی گود پر صغرا کی نظریں بیبیاں چپ ہیں
کہ بچی کو سنائیں مرگِ اصغر کی خبر کیونکر

جواں بیٹے کی میت پر تڑپتے باپ سے پوچھو
نظر ہوتے ہوئے آتا نہیں کچھ بھی نظر کیونکر

بسا کر کربلا بتلا گیا یثرب کا شہزادہ
پرایا دیس بن جاتا ہے شاہدؔ اپنا گھر کیونکر

آجاؤ عباس

علی کے شیر تمہیں تو ہمارا پردہ تھے تمہیں تو عترت مظلوم کا سہارا تھے
ہماری آخری ڈھارس ہماری دنیا تھے تمہیں تو ظلمت ماحول کا اُجالا تھے
بسا کر کربلا بتلا گیا یثرب کا شہزادہ
پرایا دیس بن جاتا ہے شاہدؔ اپنا گھر کیونکر
عجیب گردش دوراں عجب زمانہ ہے کہ بے رداشہِ کونین کا گھرانا ہے
زبان کھولیں تو درّے ہیں تازیانہ ہے سحر کو قید ہمیں ہو کے شام جانا ہے
جو ہو سکے تو ہمیں قید سے بچا جاؤ
خیام جل چکے عباس اب تو آجاؤ
یہ کالی رات یہ تنہائی کیا کرے زینب سبھی چلے گئے آواز دے کے زینب
یہ چاہتے ہو اسیرِ بلا رہے زینب دیارِ شام تلک ننگے سر پھرے زینب
خدا کے واسطے مجھ کو کہیں چھپا جاؤ
خیام جل چکے عباس اب تو آجاؤ
اندھیری رات ہے سب لوگ سہمے جاتے ہیں دکھا کے نیزے یہ ظالم ہمیں ڈراتے ہیں
کبھی جو شرم سے چہروں کو ہم چھپاتے ہیں شقی بگڑتے ہیں درّے ہمیں لگاتے ہیں
لعین گھیرے ہیں بھیا انہیں ہٹا جاؤ
خیام جل چکے عباس اب تو آجاؤ

سنو سکینہ صدا دے رہی ہے رو رو کر لعین لے گئے کانوں سے چھین کر گوہر
بڑا بھروسہ تھا بچی کو اپنے عمو پر وہ درّے کھاتی رہی اور تمہیں ہوئی نہ خبر
وہ تم سے روٹھ گئی ہے اُسے منا جاؤ

خیام............

وہ ایک گوشے میں عابدؑ پڑے ہیں غش میں نڈھال بدن میں ضعف سے لرزہ ہے تپ سے چہرہ لال
سُنے گا کون کروں کس سے میں دوا کا سوال تمہارے دیکھے سے شاید ہو کچھ مریض بحال
دوا نہیں ہے تو تسکین ہی دلا جاؤ

خیام............

تمہاری بیوہ وہ بیٹھی ہے سر جھکائے ہوئے ردا تو چھن گئی بالوں سے منہ چھپائے ہوئے
جو آگ دل میں لگی ہے اُسے دبائے ہوئے مگر کلیجے سے بچوں کو ہے لگائے ہوئے
یتیم کیسے پلیں گے اُسے بتا جاؤ

خیام............

لعین کرتے تھے شاہدؔ سفر کی تیاری اور اس طرف حرمِ شہ کے اشک تھے جاری
زمین ہلتی تھی لرزہ فلک پہ تھا طاری تڑپ کے کہتی تھی جب ایک درد کی ماری
قریب آگئے ظالم ہمیں بچا جاؤ
خیام جل چکے عباس اب تو آجاؤ

مراثی

برائے

سوز

اقتباس از زیارتِ ناحیہ امامِ عصر

اے زندگی کے مطلعِ تاباں تجھے سلام	اے حرفِ کن کے معنی پنہاں تجھے سلام
اے قلب و روحِ فخرِ رسولاں تجھے سلام	ا قوتِ دلِ شہِ مردان تجھے سلام

شبرؑ کا دل سنبھالنے والے سلام لے
اے فاطمہؑ کی گود کے پالے سلام لے

تشنہ دہن سپاہ کے سالار پر سلام	جلتے ہوئے خیام کے سردار پر سلام
پیاسی زباں پہ دیدۂ خو بنار پر سلام	مٹی بھرے ہوئے لب و رخسار پر سلام

اے نورِ دیدۂ تہِ خنجر میرا سلام
سُوکھے گلے کی کٹتی رگوں پر مرا سلام

وہ جس کی ریش خوں سے ہوئی تر اسے سلام	تڑپا کیا جو تپتی زمیں پر اسے سلام
روندا گیا جو سینہ اطہر اسے سلام	تھا جو بدن درندوں کی زد پر اسے سلام

اتنی حرم کی فکر تھی جس تشنیہ کام کو
تکتا تھا زیرِ تیغ بھی مُڑ کر خیام کو

جن بی بیوں کی چھن گئی چادر انہیں سلام	نظروں کی زد پہ تھیں جو کھلے سر انہیں سلام
زیبِ سناں تھے جو سر اطہر انہیں سلام	تھے بے کفن جو تپتی زمیں پر انہیں سلام

اے چاکِ زخمِ سینہ اکبر سلام لے
اے خونِ گردنِ علی اصغر سلام لے

چھیڑے گئے چھڑی سے جو دنداں انہیں سلام　　دربار میں کھڑے تھے جو گریاں انہیں سلام
رسوا ہوئے جو چاک گریباں انہیں سلام　　روتا تھا جن پہ خانہ زنداں انہیں سلام

بیمارِ غم کو، نوحہ زنجیر کو سلام!
تاریک قید خانے کی تنویر کو سلام!

درّے جنہیں لگاتے تھے بد خوا انہیں سلام　　چہروں پر منتشر تھے جو گیسو انہیں سلام
سینوں میں کھولتے تھے جو آنسو انہیں سلام　　گردن سے بندھ رہے تھے جو بازو انہیں سلام

دل میں بھڑکتے شعلوں کو جو کم نہ کرسکے
جو اپنے مرنے والوں کا ماتم نہ کرسکے

وداعِ امیرالمومنین

بزمِ جہاں سے رخصت شیرِ خدا ہے آج　　　کوفے کے گوشے گوشے میں شور بکا ہے آج
قرآں تڑپ رہا ہے حرم رو رہا ہے آج　　　حسنینؑ کی خموشی میں طوفاں چھپا ہے آج

اُم البنین اشکوں سے دامن بھگوتی ہے
پٹی سے لگ کے زینبؑ و کلثوم روتی ہیں

طاری تھی بوتراب پہ کچھ دیر سے غشی　　　شورِ فغاں سے چونک اُٹھے آنکھ کھل گئی
ایک ایک رونے والے کو تلقینِ صبر کی　　　بولے خدا کا شکر، شہادت ہمیں ملی

جائیں گے فخر و ناز سے اب ہم خدا کے پاس
یاں رہ لئے رہیں گے بس اب مصطفیٰ کے پاس

فرما کے یہ حسن کو صدا دی، ادھر تو آؤ　　　سب بھائیوں کو اپنے مرے اور پاس لاؤ
ٹھہراؤ دل کو، پونچھ لو اشکوں کو، مسکراؤ　　　سب سے بڑے ہو چھوٹوں کی ہمت ذرا بندھاؤ

ہم جارہے ہیں اب یہ تمہارے حوالے ہیں
وہ بار اب تمہارا ہے جو ہم سنبھالے ہیں

یہ کہہ کے نیم خیز ہوئے شیر کبریا　　　دستِ حسن میں ہاتھ دیا ایک ایک کا
عباس کو مگر نظر انداز کردیا　　　اُم البنین کانپ گئیں، رنگ اُڑ گیا

بولیں یہ مرحمت مرے عباس پر نہ کی
حضرت نے اس غلام کی جانب نظر نہ کی

شاید کوئی خطا ہوئی اس خانہ زاد سے　　بحرِ کرم ہیں آپ، بحل اس کو کیجئے
بولے علیؑ، یہ جانِ وفا اور خطا کرے　　اس کا تو شک بھی ظلم ہے اس شیر کے لئے
یہ کہہ کے اپنے پاس بلایا دلیر کو
شیر خدا نے پیار کیا اپنے شیر کو
کہنے لگے یہ بازوئے عباس چوم کر　　ہیں آج سے سپردِ حسنؑ سب مرے پسر
اب یہ امامِ وقت ہیں مختارِ خشک و تر　　عباس تم بھی ان کے غلاموں میں ہو مگر
سب سے تمہارے فرض کی وسعت زیادہ ہے
تم کو مرے حسینؑ سے الفت زیادہ ہے
حقا کی عطا ہے تم کو یہ الفت حسینؑ کی　　بابا کی جان تم ہو ضرورت حسینؑ کی
لو ہم نے سونپ دی تمہیں خدمت حسینؑ کی　　عباس کم نہ ہو کبھی عظمت حسینؑ کی
تم ہو غلام ان کے یہ آقا تمہارے ہیں
تم میری جان ہو یہ پیمبر کے پیارے ہیں
بیٹا تمہیں خبر ہے کہ اک کربلا بھی ہے　　تم نے تو اس کا ذکر مسلسل سنا بھی ہے
اک باب کربلا کا تمہاری وفا بھی ہے　　تم کو اسی کے واسطے پالا گیا بھی ہے
تم پاسبانِ سبطِ نبی بن کے جاؤ گے
میدانِ کربلا کے علیؑ بن کے جاؤ گے

بیٹا خیال رکھنا وفا میں کمی نہ ہو   آقا کے حکم سے کوئی غفلت کبھی نہ ہو
کرنانہ کچھ جو مرضیِ سبطِ نبی نہ ہو   بیٹا مجھے رسول سے شرمندگی نہ ہو

روکیں یہ جنگ سے تو تاسف نہ کیجیو
زخموں پہ زخم کھائیو اور اُف نہ کیجیو

رکھا ہے اہلبیت پیمبر کا بھی خیال   رسوا تمہارے ہوتے نہ ہو مصطفیٰ کی آل
بے پردہ نہ ہوں زینب و کلثوم میرے لال   ایسا نہ ہو کہ خلد میں زہرا کو ہو ملال

عباس جیتے جی کوئی یہ غم نہ دے سکے
چادر تمہاری بہنوں کے سر سے نہ لے سکے

پھر اس کے بعد ہوگئے خاموش مرتضیٰ   عباس نے حسینؑ کے قدموں پر سر رکھا
سبطِ نبی نے جھک کے گلے سے لگالیا   ذہنِ علیؑ میں جاگ اُٹھا دشتِ کربلا

شاید کوئی کٹا ہوا بازو نظر میں تھا
بھائی کا سر حسینؑ کا زانو نظر میں تھا

تڑپا گیا تصورِ میدانِ کربلا   وہ دھوپ وہ تپش وہ بیابانِ کربلا
وہ تین دن کی پیاس وہ مہمانِ کربلا   ڈوبا ہوا وہ خون میں دامانِ کربلا

عباس کا ترائی میں لاشہ پڑا ہوا
مظلوم بھائی سر کو جھکائے کھڑا ہوا

عالم حسینؑ کا وہ برادر کی لاش پر حسرت بھری نگاہ سے تکنا اِدھر اُدھر
لب خشک چہرہ زرد جہاں تیرہ خم کر مڑ مڑ کے بار بار سوئے خیمہ گہ نظر
کوزہ بدست پیکر حسرت بنی ہوئی
خیمے کے در پہ بالی سکینہ کھڑی ہوئی
لو وہ حسینؑ رن سے چلے سوئے خیمہ گاہ مشک وعلم کو جھک کے اٹھایا بہ اشک و آہ
دل تھام کر کٹے ہوئے بازو پہ کی نگاہ سر تا قدم حسینؑ ہیں اک مستقل کراہ
لے کر تبرکاتِ علمدارِ کربلا!
سوئے خیام جاتا ہے سالارِ کربلا
ہونٹوں پہ ہے رضاً بقضا، دل میں اضطراب پلکوں پہ ہے رکے ہوئے اشکوں کا التہاب
چہرہ اداس جیسے کہ پژمردہ اک گلاب اکبر ہیں ساتھ تھامے ہوئے بازوئے جناب
کس صبر سے حسین سنبھالے ہیں غم کا وزن
ایک اک قدم پر بڑھتا ہے مشک وعلم کا وزن
گرتے سنبھلتے آہی گیا خیمہ حرم وہ رک گئے حسین کے بڑھتے ہوئے قدم
زینب کھڑی ہیں خیمے کے در پہ بہ چشمِ نم شبیرؑ کہہ رہے ہیں ''بہن لوٹ آئے ہم''
زینبؑ ہمارا بھائی خفا ہم سے ہوگیا
شیرِ خدا کا شیر ترائی میں سو گیا

تھرا رہی ہے زینبؑ مظلوم و خستہ تن		تکتی ہے کیسی یاس سے منہ بھائی کا بہن
عباس پر بھروسہ تھا اب کیا کرے جتن		ہے کون اب محافظ آلِ شہ زمن

دل بجھ گیا برق گری ہے یقین پر
وہ سر کھلا وہ گڑی پڑی چادر زمین پر

سر پہ ردا جو زینبؑ مظلوم کے گری		منظر نے رُخ بدل لیا تھرا گئے علیؑ
اُبھری نظر میں شامِ غریباں کی تیرگی		وہ رات، وہ طلایہ زینب وہ بے بسی

یادوں کے وہ کچوکے وہ تکنا فرات کو
کل تک طلا یہ دیتے تھے عباس رات کو

رو رو کے جیسے کہتی ہو زینبؑ جگر فگار		عباس، میرے شیر کہاں ہو بہن نثار
تم ہو حفاظتِ حرم شہؑ کے ذمہ دار		بھای میں کتنی دیر سے کرتی ہوں انتظار

بچے یہ کہہ رہے ہیں انہیں جام آب دوں
بھیا تمہیں بتاؤ انہیں کیا جواب دوں

یہ رات کے اندھیرے یہ صحراب اب آ بھی جاؤ		جنگل میں ہم غریب ہیں تنہا اب آ بھی جاؤ
بھیا بلک رہی ہے سکینہ اب آ بھی جاؤ		کیا آج شب نہ دوگے طلایہ اب آ بھی جاؤ

کہتے تھے ہر بلا سے مجھے تم بچاؤ گے
کیا قید ہو کے جاؤں گی اس وقت آؤ گے

ابھرا جو سطحِ ذہن پہ حیدرؑ کے یہ سماں آنکھیں بھر آئیں دل میں لگیں غم کی برچھیاں
زینبؑ سے کیسے کہتے کہ عباس اب کہاں بے ساختہ زبان پہ کلمہ ہوا رواں

احساس میں بسائے یہ منظر چلے گئے
زینبؑ تڑپتی رہ گئی حیدرؑ چلے گئے

زینبؑ پچھاڑ کھا کے گری فرشِ خاک پر سر پیٹ کے پکاری کہ بابا چلے کدھر
بھیا حسینؑ کچھ مجھے آتا نہیں نظر سورج کہاں ہے ہوتی نہیں آج کیوں سحر

بتلایئے قسم ہے پیمبر کی آپ کو
کیا عمر بھر نہ دیکھوں گی اب اپنے باپ کو

زینبؑ کے بین سن کے تڑپنے لگے حرم تھرا گئے حسینؑ بڑھا اور درد و غم
رو کر کہا بہن سے کہ اے کشتۂ الم بابا کہاں ہیں ہوگئے زینبؑ یتیم ہم

یہ کہہ کے سر جھکائے قریب اور آگئے
زینبؑ کے سر پہ ہاتھ رکھا تھر تھرا گئے

اے مرتضٰی کے سوگ نشینو بکا کرو ہاں مومنوں نمازِ مودّت ادا کرو
خونِ جگر سے شیشہ دل پر جلا کرو سب مل کے شاہزادی سے عرض وفا کرو

بی بی ہمارے اشکوں کا ہدیہ قبول ہو
زینبؑ شہید باپ کا پرسہ قبول ہو

رحلتِ سیّدہؑ

دنیا سے آج رحلتِ بنتِ رسول ہے دستِ اجل میں عصمتِ کبریٰ کا پھول ہے
قبرِ نبی لرزتی ہے، یثرب ملول ہے حسنین و مرتضیٰ سے وداعِ بتول ہے
پٹی سے لگ کے زینب و کلثوم روتی ہیں
اس کم سنی میں بچیاں بے ماں کی ہوتی ہیں

زینبؑ کا حال یہ ہے کہ آنسو تو ہیں رواں کلثوم کو بھی دیتی ہیں پیہم تسلیاں
فرما رہی ہیں چھوٹی بہن سے کہ میری جاں رہتی نہیں جہاں میں ہمیشہ کسی کی ماں
بے بس تھیں ہم کو چھوڑ کے گریاں چلی گئیں
اللہ نے بلالیا، اماں چلی گئیں

زینبؑ کی بھولی باتوں پہ مضطر تھے مرتضیٰ اسما نے بچیوں کو گلے سے لگالیا
چپکے کھڑے تھے لاش کی بالیں پہ مجتبیٰؑ اور سر رکھا تھا قدموں پہ ماں کے حسینؑ کا
سب رو رہے تھے دیکھ کے میت بتول کی
دنیا سے اُٹھ رہی تھی نشانی رسولؐ کی

میت کے پاس بیٹھ کے بولے یہ مرتضیٰ بچو سنبھالو دل کو کہ یہ صبر کی ہے جا
اب اہتمام کرنا ہے میت کے غسل کا اسما کے ساتھ صحن میں جاؤ پدر فدا
تعمیل ہو وصیتِ بنتِ رسولؐ کی!
انجام دیں ہم آخری خدمت بتول کی

بچے ہٹے تو حجرے کا در بند ہوگیا میت کو غسل دینے لگے شاہِ لا فتیٰ
ناگہ علیؑ کی چیخ سے تھرا گئی فضا اسما تڑپ کے بولیں کہ ہے ہے یہ کیا ہوا
حیرت کی جا ہے صبر علیؑ بھی تڑپ اُٹھا
کیا ایسی بات دیکھ لی کیوں جی تڑپ اُٹھا
رو کر کہا علیؑ نے کہ ممکن نہیں بیاں منظر وہ ہے کہ دیکھ کے دل غم سے تپاں
یہ جسمِ پاک اس پہ یہ زخموں کی بدھیاں یہ ظلم بے پناہ کہ اللہ کی اماں
زخموں سے خوں رسا ہے جو بنتِ رسولؐ کا
چپکا ہوا ہے جسم سے کُرتا بتولؑ کا
اے صبرِ سیدہؑ تری عظمت پہ ہم نثار یہ کرب روح اور نہ شکوہ نہ اضطرار
شوہر سے بھی بیاں نہ کیا اپنا حالِ زار اب لے چلیں یہ غم کی نشانی تہ مزار
تاریخ کے جگر میں ہے یہ سیدہؑ کا زخم
رستا رہے گا حشر تلک فاطمہؑ کا زخم
اللہ! کتنے ظلم ہوئے ہیں بتولؑ پر تھرا رہا ہے کرب سے تاریخ کا جگر
روتے تڑپتے گزری ہے بی بی کی عمر بھر محشر ہر ایک شب تھی قیامت ہر اک سحر
شہزادی کیسے زخموں کی تیرے دوا کریں
آنسو بہا رہے ہیں غلام اور کیا کریں

بیٹی کی سمت دیکھئے اے سید البشر   بی بی کے خوں بھرے ہوئے کرتے پہ اک نظر
امت کے ظلم چیختے ہیں جسم پاک پر   ہر زخم تن پہ اجرِ رسالت ہے نوحہ گر

زینبؑ ہمارے اشکوں کا ہدیہ قبول ہو
اے مرتضٰی غلاموں کا پُرسہ قبول ہو

وِداعِ صغرا

چلے حسینؑ مدینے سے کربلا کے لئے نبی کے شہر سے رخصت ہوئے خدا کے لئے
اُٹھے گی دل میں کسک قبرِ مصطفیٰ کے لئے لحد بتول کی ترسے گی فاتحہ کیلئے
فضائے غم ہے جدھر بھی نگاہ مڑتی ہے
ابھی سے شہر مدینہ میں خاک اُڑتی ہے

ابھی ہوئے ہیں برآمد حرم سے سبطِ نبی بڑی کٹھن تھی وہ ساعت وداع صغرا کی
نظر تھی باپ کی جانب خموش تھی بچی لپٹتی تھی کبھی دامن کو بوسے دیتی تھی
پھپھی نے بڑھ کر چھڑایا تھا کتنی مشکل سے
مگر چھڑائے کوئی کیسے باپ کے دل سے

عجیب کرب کا عالم ہے ہے قلبِ سرور پر چلا رہا ہو کوئی جیسے پے بہ پے خنجر
قدم بڑھاتے ہیں رک رک کے جانب لشکر نظر میں پھرتی ہے بیٹی کی شکل رہ رہ کر
عزیز ہوچکے رخصت مریض تنہا ہے
اکیلے گھر کی اداسی ہے اور صغرا ہے

یہ کیسے کاٹے گی دن سب تو کنبہ جاتا ہے ! چڑھی ہے تپ اسے اور سارے گھر میں تنہا ہے
ہیں اُم سلمہ و اُم البنین تو کیا ہے! وہ خود ضعیفہ ہیں جینے کا کیا بھروسہ ہے
مریض یہ وہ اسیر لحن ہیں کیا ہوگا
نہ ماں نہ باپ نہ بھائی بہن ہیں کیا ہوگا

مریض کو تو مرض ہی سے رہتی ہے ایذا ضرور ہے کوئی ساماں ہو دل بہلنے کا
اوراس کے ہیں بھی جواپنے وہ ہورہے، ہیں جدا رکھے گا کون خبر کون دے گا اس کو دوا
رکے گا دم درد دیوار سے ڈرے گی غریب
اندھیرے اس کو ڈسیں گے تو کیا کریں گی غریب
ادھر تو باپ اور درد و کرب کے نشتر ادھر مریض تڑپتی ہے اپنے بستر پر
کبھی ہے ماں کا تصور کبھی خیالِ پدر نظر میں پھرتے ہیں اکبر کبھی، کبھی اصغر
کبھی پھپھی اُفق ذہن پر اُبھرتی ہے
کبھی سکینہ کی باتوں کو یاد کرتی ہے
کبھی خیال ابھی جب لیا تھا اصغر کو وہ کیسے پیار سے تکتے تھے رُروئے خواہر کو
ابھی بہن کو وہ پہچانیں اور نہ مادر کو یہ خون تھا جو اُٹھانے نہ دیتا تھا سر کو
سفر سے آئیں گے واپس تو کچھ بڑے ہونگے
میں جب پکارونگی جھولے سے اُٹھ کھڑے ہونگے
سنبھالا دل کو کہ خیر اب تو جاتے ہیں بابا مجھے چڑھتی تھی جو تپ اس لئے ساتھ لیا
فضا خراب بھی تھی اور سفر طویل بھی تھا کٹی یہ رت تو مجھے لینے آئیں گے بھیا
وہ جائیں خیر سے سر پر خدا کی ذات تو ہے
گذر ہی جائیں گے دو چار دن کی بات تو ہے

کبھی یہ فکر کہ کیا میری زندگی کا یقین　　وطن میں آئیں جو بھیا تو یہ سنیں نہ کہیں
تمہاری یاد میں کچھ اتنی ہچکیاں آئیں　　تڑپ تڑپ کے بہن مرگئی تو جانے رکیں

خدا کرے مجھے مل جائے کچھ سکوں تو مروں
بس ایک بار پھر ان سب کو دیکھ لوں تو مروں

یہ کون کہتا کہ اب ان کو بھول جاؤں صغرا　　نہ اکبر آئیں گے واپس نہ اصغر آئے گا
سناں وہ کھائیں گے اور یہ گلے یہ تیر قضا　　عجیب وقت پہ پہنچے گا نامہ بر تیرا

کرے گا بات جو شہ سے ترے برادر کی
حسینؑ اس کو دکھائیں گے لاش اکبر کی

تجھے سکینہ سے الفت بہت ہے اے بی بی　　گلے ملی تھی تو کیسا بلک کے روئی تھی
یہ تجھ سے آخری رخصت تھی اس مسافر کی　　یہ غم نصیب پلٹ کر وطن نہ آئے گی

دیارِ شام کی مٹی ہے اس کی قسمت میں
یہ جان دے گی وہیں قید کی مصیبت میں

مسافر آئیں گے لے کر ترے لئے نشتر　　تو سب کو ڈھونڈے گی اور آئیگا نہ کوئی نظر
چچا نہ باپ سکینہ نہ اکبر و اصغر　　کہے گا تجھ سے ترا دردِ لادوا اُٹھ کر

نہ کر چھپے ہوئے چاندوں کی جستجو صغرا
س اب تو یادیں ہیں آنسو ہیں اور تو صغرا

پامالیِ قاسم

حسینؑ جاتے ہیں قاسم کی لاش اُٹھانے کو دلِ شکستہ پہ اک اور زخم کھانے کو
اِک اور منزلِ صبر و رضا بڑھانے کو جگر کے ٹکڑے بیاباں سے چن کے لانے کو
نہیں کہ رحلت قاسم کا کچھ ملال نہیں
لرز رہے قدم دل مگر نڈھال نہیں

بڑھے جو غیظ میں شبیرؑ سوئے فوجِ جفا علیؑ کی تیغ نے اک حشر کردیا برپا!
اِدھر کو مڑ گئے گھوڑے جدھر کو منہ اُٹھا پڑا تھا بھاگتی فوجوں کی راہ میں لاشہ
کیا جو پھر کے سواروں نے رُخ سوئے قاسم
سموں سے گھوڑوں کے پامال ہوگئے قاسم

قریب لاشہ قاسم جو پہنچے سرورِ دیں تو ایسے حال میں آیا نظر وہ جسم حسیں
کہ تھوڑی دیر تو آ ہی سکا نہ دل کو یقیں کہیں تھا کچلا ہوا جسم دست و پا تھے کہیں
اک آہ بھر کے شہِ دیں زمین پہ بیٹھ گئے
جہاں کھڑے تھے لرز کر وہیں پہ بیٹھ گئے

لبوں پہ صبر کی بندش تھی دل میں حشر بپا اٹھائے بڑھ کے زمیں سے کٹے ہوئے اعضا
نہ جانے کیسے تن منتشر کو جمع کیا عبا میں رکھ کے اُٹھایا جنازہ قاسم کا
لرزتے ہاتھوں پہ جیسے پہاڑ اُٹھائے ہوئے
چلے حسینؑ سوئے خیمہ سر جھکائے ہوئے

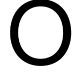
مگر یہ سوچتے جاتے تھے دل میں سبطِ نبی میں جب چلا تھا تو خیمے کے در پہ تھیں بھابھی
حرم میں پہنچوں گا جب لے کے لاشِ قاسمؑ کی بجائے لاش وہ دیکھیں گی خوں بھری گٹھڑی
پسر کو دیکھ کے یوں پائمال کیا ہوگا
ہے غیر حال مرا ماں کا حال کیا ہوگا

حرم میں پہنچے تو دیکھا کہ حشر ہے برپا بلک رہی ہے سکینہ خموش ہے کبریٰ
تڑپ کے ماں نے سوئے لاشہ پسر دیکھا جگر کو تھام کے بولیں یہ کیا ہوا بھیا
میں یہ تو جانتی تھی سر کٹائیں گے قاسم
یہ کیا خبر تھی کہ یوں پس کے آئیں گے قاسم

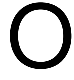
سحر سے آئیں شہیدوں کی میتیں کتنی شکستہ دیکھی تو اتنی نہ ایک میت بھی
ہے کوئی رکنِ شہادت یہ تن کی پامالی کہ صرف قسمتِ قاسم تھی یہ شکستہ تنی
یہ ننگ بھی تھا مرے لال کے مقدر میں
لکھی تھی لاش کی بے حرمتی بھی محضر میں

ابھی تو سینے میں پہلا ہی زخم تازہ تھا حُسن کی لاش پہ بھی تیر آئے تھے بھیا
ہے یوں تو پورا ہی کنبہ نبی کا صیدِ جفا تمہارے بھائی سے لیکن ہے کوئی خاص گلہ
مگر جو تھی بھی شکایت تو مجتبیٰ کی تھی
تمہیں کہو مرے قاسم نے کیا خطا کی تھی

کہا امام نے بھابھی نے کیجئے اس کا ملال   ہوا شہیدوں میں ممتاز آپ کا یہ لال!
نہیں ہے قسمتِ قاسم ہی جسم کا یہ حال   ہماری لاش بھی ہوگی اسی طرح پامال
وہی ہماری بھی ہوگی جوان کی حالت ہے
حسینؑ ہو کہ حسنؑ سب کی ایک قسمت ہے
خدا کا شکر کرو لاشِ قاسم آتو گئی   ہماری لاش تو لائے گا بھی نہ رن سے کوئی
پھر اس پہ ہوگا یہ طرفہ ستم بھی اے بھابھی   کہ نوچ لے گی لباسِ بدن بھی فوجِ شقی
جھلستی ہوگی ہوا دھوپ بھی کڑی ہوگی
ہماری لاش یوں ہی دشت میں پڑی ہوگی



یوں جاتا ہے اس جہان سے چل کے
رہ جاتی ہے موت ہاتھ مل کے
اللہ! شہیدِ غم کی منزل
معنی ہی بدل دیئے اجل کے



علیؑ معیارِ عظمت نقطہء معراجِ انسانی
محمدؐ مصطفٰے کی پیش کردہ شرحِ قرآنی
محمدؐ اور علیؑ میں فرق بے شک ہے مگر کتنا
شبِ ہجرت تو پوری فوج تھی پھر بھی نہ پہچانی

مرگِ علمدار

جب مشک بھر کے نہر سے جرار لے چلا غازی کو اہل شام نے نرغے میں لے لیا
کڑکیں کمانیں، تیر چلے، شیر گھر گیا اک تیر مشکِ پر کسی جانب سے آلگا
تیر ستم نے مشک کا پانی بہادیا
سقے کی آس ٹوٹ گئی سر جھکادیا
غازی کا سر جھکا تو بڑھے بانی ستم چاروں طرف سے پڑنے لگے وار دم بہ دم
بازو کٹے تو خاک پہ گرنے لگا علم بھائی کو دیکھتے تھے ادھر سید امم
گرتے علم نے سارا فسانہ سنا دیا
دیکھا فلک کو، آہ بھری، سر جھکادیا
باجے بجائے فتح کے افواج شام نے کیا جانے کیسے دل کو سنبھالا امام نے
خم تھی کمر اندھیرا تھا نظروں کے سامنے آواز دی پسر کو شہ تشنہ کام نے
اکبر کے ساتھ اشک بہاتے چلے حسینؑ
ایک اک قدم پہ ٹھوکریں کھاتے چلے حسینؑ
گرتے سنبھلتے پہنچے وہاں شاہِ کبرو بر دم توڑتا تھا شیر جہاں گر کے کام پر
آہٹ سنی جری نے تو دیکھا اٹھا کے سر چاہا اٹھیں پڑی جو رخِ شاہ پر نظر
اٹھا گیا نہ جب شہ خو شخو کو دیکھ کر
رونے لگے کٹے ہوئے بازو کو دیکھ کر

تڑپے جو یوں تو خون میں تر ہوگیا لباس بھائی کے پاس بیٹھ گئے شاہِ نیک اساس
زانو پہ سر کر رکھ کے یہ بولے بہ درد و یاس عباسؑ سر اٹھاؤ ہم آئے تمہارے پاس
بھیا تڑپ کے یوں نہ تلف اپنی جان کر
حسرت ہو کوئی دل میں تو ہم سے بیان کر
عباس رو کے بولے کہ یا شاہِ نام دار کیا کیا بڑھا نہ آپ کی خدمت میں افتخار
لیکن رہا غلام سکینہ سے سرمشار خیمے میں کرتی ہوگی وہ عمو کا انتظار
آیا تھا وعدہ کرکے کہ پانی پلاؤں گا
آقا! میں اب سکینہ کو کیا منہ دکھاؤں گا
بہتر ہو گر تو جب طرفِ خیمہ جائیں آپ لاشہ غلام کا نہ یہاں سے اٹھائیں آپ
معصوم کو نہ حال ہمارا سنائیں آپ پیشِ سکینہ جیسے بھی ہو مسکرائیں آپ
دل کو یقینِ فرحتِ عباس تو نہ ہو
بی بی کو انتظار رہے یاس تو نہ ہو
فرمایا شہ نے خیر جو مرضی ہو آپ کی اچھا نہ لے کے جائیں گے لاشہ یونہی سہی
لیکن اک آرزو یہ ہمیں عمر بھر رہی عباس بھائی کہہ کے پکاریں ہمیں کبھی
جاتے ہوئے تو صبر دلا دیجئے ہمیں
اک بار بھائی کہہ کے صدا دیجئے ہمیں

عباس کانپے سن کے یہ حکمِ شہ ہدیٰ خود کو غلام کہتے رہے تھے حسینؑ کا
مجبور تھے مگر کہ یہ حکمِ امام تھا نکلی لرزتے کانپتے ہونٹوں سے اک صدا
تعمیلِ حکمِ شاہ میں جاں سے گذر گئے
پورا زباں سے بھائی نہ نکلا کہ مرگئے

بولے تڑپ کے شہ مرے صفدر چلے گئے بھائی سے پہلے جانِ برادر چلے گئے
بھیا تمہیں تو تھے مرا لشکر چلے گئے مجھ کو بھی اپنے ساتھ نہ لے کر چلے گئے
تم تو کہیں نہ جاتے تھے مجھ سے کہے بغیر
کیسے رہوگے خلد میں تنہا مرے بغیر

اب کون میرے سر پر کرے سایہ علم اب کس کے آسرے پر رہیں مطمئن حرم
تم پاس تھے تو ان کو یہ ڈھارس تھی کم سے کم خیموں تک آسکیں گے نہ یہ بانی ستم
جب یہ سنا کہ اب نہیں عباس زین پر
زینب کے سر سے گر گئی چادر زمین پر

عباس جب میں خیمے سے رن کی طرف چلا تا دور آرہی تھی سکینہ کی یہ صدا
اللہ! کیا ہوا کہ نہ اب تک پھرے چچا مشکیزہ بھی تھا چھوٹا سا دریا بھی پاس تھا
کچھ میرے دکھ کی فکر نہ اصغر کا پاس ہے
احساس ہی نہیں کہ ہمیں کتنی پیاس ہے

بھیا تمہاری لاش تو لے کر نہ جائیں گے بچی کو کس جتن سے تسلی دلائیں گے
پوچھے گی جب تمہیں تو اسے کیا بتائیں گے کیسے کہیں گے بی بی چچا اب نہ آئیں گے

کیا فرق آسکے گا کبھی اعتماد میں
گھٹ گھٹ کے مر نہ جائیگی عمو کی یاد میں

فرما کے یہ علم کو اٹھایا بہ درد و یاس اکبر کے ساتھ رن سے چلے شاہِ نیک اساس
فضہ پکاری پہنچے جو خیمے کے در کے پاس بوبی بیو شکست ہوئی آخری بھی آس

ارماں تمہارے خون کے دریا میں بہہ گئے
رن سے علم تو آتا ہے عباس رہ گئے

شبیہہ رسولؐ

رخصت ہوا حسینؑ سے جب نوجواں پسر　　　کچھ دور ساتھ ساتھ چلے شاہِ بحر و بر
تاریک تھا زمانہ کچھ آتا نہ تھا نظر　　　پٹی بندھی تھی شفقتِ فطری کی آنکھ پر
ہر رکن کی تھی فکر شہِ مشرقین کو
روحِ خلیلؑ دیکھ رہی تھی حسینؑ کو

اللہ رے صبر و ضبط شہ آسماں وقار　　　ہونٹوں تک آ کے لوٹ گیا دل کا اضطرار
وہ باپ کی نگاہ میں لختِ جگر کا پیار　　　اور اس طرف امام کا منصب بروئے کار
دل کا گداز قوتِ ایمان ہوگیا
اک باپ اک امام پہ قربان ہوگیا

لڑتا رہا جوان پسر، دیکھتے رہے　　　تنہا یہ سینکڑوں کی نظر دیکھتے رہے
بارانِ تیغ و تیر و تدبر دیکھتے رہے　　　دل تھر تھرا رہا تھا مگر دیکھتے رہے
اکبر پہ وار پڑتے تھے جب فوجِ شام کے
رہ جاتے تھے حسینؑ کلیجے کو تھام کے

حسرت سے رن میں جنگ پسر دیکھتے تھے شاہ　　　زینبؑ کھڑی تھیں خیمے کے در پر بہ اشک و آہ
دل پر تھے ہاتھ چہرۂ شبیرؑ پر نگاہ　　　پڑھتی تھیں روئے شاہ میں احوال رزم گاہ
جب دیکھتی تھیں بھائی کو خوش مسکراتی تھیں
پڑتی تھی جب جبیں پہ شکن کانپ جاتی تھیں

بھائی کی سمت تھی نگہِ زینب حزیں دیکھا گرے زمین پر تھرا کے شاہِ دیں
سمجھیں کہ خیر اکبرِ گلفام کی نہیں بے اختیار خیمے سے باہر نکل پڑیں
کچھ اور اضافہ ہوگیا حالِ تباہ میں
اکبر نظر نہ آئے کہیں رزم گاہ میں
ہاتھوں سے دل کو تھام کے رن کی طرف چلیں جاتے تھے لڑکھڑاتے ادھر خود بھی شاہ دیں
دم توڑتا تھا رن میں جہاں اکبر حزیں زینب وہاں حسین سے پہلے پہنچ گئیں
آئے نظر جو زخم تنِ پاش پاش پر
تیورا کے گر پڑیں علی اکبر کی لاش پر
آپہنچے اتنی دیر میں واں شاہِ بحر و بر دیکھا بہن ہے لاشہ اکبر پہ ننگے سر
غیرت یہ تھی کہ بھول گئے صدمہ پسر جھک کر اٹھایا لاش سے بازو کو تھام کر
فرمایا غم میں یوں کہیں خود کو بھلاتے ہیں
خیمے میں جاؤ ہم وہیں اکبر کو لاتے ہیں
آوازِ شاہ زینب مضطر نے جب سنی یک لخت جیسے چونک اُٹھی تھرا کے رہ گئی
گھبرا کے سر پہ ہاتھ سے چادر درست کی حکمِ امام تھا طرفِ خیمہ کہ گئی
ٹھہراتی جارہی تھی دلِ پاش پاش کو
مڑ مڑ کے دیکھ لیتی تھی اکبر کی لاش کو

اور اس طرف تھے مہر بہ لب شاہِ بحر و بر ڈالی پسر کی لاش پہ حسرت بھری نظر
دیکھا سناں کی نوک ہے پیوستہ جگر دستہ سناں کا تھام لیا دل کو تھام کر

دیکھیں خلیلؑ امام کی منزل میں کیا ہے باپ
بیٹے کے دل سے نوکِ سناں کھینچتا ہے باپ

آخر سناں جگر سے نکالی حسینؑ نے دل میں اُٹھی جو ٹیس دبالی حسینؑ نے
میت بڑے جگر سے سنبھالی حسینؑ نے کڑیل جواں کی لاش اُٹھائی حسینؑ نے

غم کی فضا پہ مرضی رب چھا کے رہ گئی
رُوحِ خلیل خلد میں تھرا کے رہ گئی

خیمے میں لاش آئی تو محشر ہوا بپا لیلیٰ بس اتنا کہہ سکیں ''آقا یہ کیا ہوا''
عابدؑ تھے غش میں چونک پڑے ہوش آ گیا دیکھی جو لاش ہوگئے پھر غش میں مبتلا

مڑ کر نظر مریض پہ ڈالی حسینؑ نے
کچھ سوچ کر نگاہ چرالی حسینؑ نے

شاید دیار شام کا منظر نظر میں تھا زخمی گلے کے طوق کا لنگر نظر میں تھا
مظلوم قیدیوں کا مقدر نظر میں تھا بے آسرا بہن کا کھلا سر نظر میں تھا

بازو پہ رسیوں کی گرہ گڑتی جاتی تھی
کوڑوں کی سائیں سائیں کی آواز آتی تھی

ننھا مجاہد

اُبھری جب استغاثہ شبیرؑ کی صدا یک لخت خیمہ گاہ سے شور فغاں اُٹھا
اہل حرم کے نالوں سے ہلنے لگی فضا میداں سے سوئے خیمہ چلے شاہِ کربلا
آواز دی تھی موت نے اک بے زبان کو
آگے بڑھے حسینؑ نئے امتحان کو

دیکھا کہ گاہوارۂ اصغر کے سامنے محو بکا ہیں بی بیاں حلقہ کئے ہوئے
بے شیر کو رباب ہیں آغوش میں لئے اصغر مچل رہے ہیں کہ گر جائیں گود سے
تیوری چڑھی ہے غیظ میں تھرائے جاتے ہیں
میداں کی سمت دیکھ کے باہیں اُٹھاتے ہیں

آگے بڑھے حسین کو واضح تھا مدعا آغوش سے رباب کی بچے کو لے لیا
بولے کہ اب سپاہی کو مشکل ہے روکنا روتے نہیں یہ مانگتے ہیں موت کی رضا
فرضِ جہاد یہ بھی ادا کرنے جائیں گے
اعدا سے ذہن و دل کی دغا کرنے جائیں گے

لو اے رباب ان کو سپاہی بنا کے لاؤ   کرتا بدل دو سر پہ عمامہ سجا کے لاؤ
آنکھوں سے اشک پونچھ دو سرمہ لگا کے لاؤ   کرتی ہو نذر پیش خدا مسکرا کے لاؤ

یہ خود بھی جان دیتے ہوئے مسکرائیں گے
اب آستیں الٹ دو یہ میداں کو جائیں گے

سن کر رباب نے لب تقدیر کا کلام   حسرت سے کی نگاہ سوئے سرورِ انام
اصغر سے جھک کے بولیں سنا میرے لالہ فام   لے اے مجاہدِ اذن دغا دیتے ہیں امام

یہ کہہ کے سر جھکا لیا رستے سے ہٹ گئیں
اصغر کو شہ کی گود میں دے کر پلٹ گئیں

نکلے حسینؑ نذر کا ساماں لئے ہوئے   دستِ دعا یہ چھوٹا سا قرآن لئے ہوئے
ذہنِ بشر کی فکر کا عنوان لئے ہوئے   مظلومیت کی شمع فروزاں لئے ہوئے

اصغر یہی ہے آخری حجت حسینؑ کی
باطل کے قلب و ذہن پہ ضربت حسینؑ کی

بچے کو لائے شاہ سوئے فوجِ اشعتیا   بہرِ صغیر تھوڑا سا پانی طلب کیا
مظلومیت ہو اور عیاں یہ تھا مدعا   ورنہ حسین اور کریں پانی کی التجا

شبیرؑ کے عمل نے یہ کھل کر بتادیا
مظلومیت کدھر ہے نظر سے دکھا دیا

انکارِ فوجِ شام سے تھرا گئے امام　　گردن جھکا کے بچے سے کرنے لگے کلام
شاید یہی کہا ہو کہ اے میرے تشنہ کام　　تم خود زبانِ حال سے حجت کرو تمام
پژمردہ لب دکھا کے بیانِ تعب کرو
سوکھی زباں نکال کے پانی طلب کرو

آیا ادھر لبوں پہ زباں بن کے مدّعا　　اس سمت سے جواب میں تیر قضا چلا
بچہ تڑپ کے باپ کے ہاتھوں میں رہ گیا　　چشمِ حسینؑ اُٹھی طرفِ عرشِ کبریا
بے اختیار اِک آہ لبوں سے نکل گئی
مظلومیت جنازۂ اصغر میں ڈھل گئی

اصغر کی لاش لے کے چلے قتل گہ سے شاہ　　نظریں فلک کی سمت قدم سوئے خیمہ گاہ
کیا ضبط تھا کہ شکر تھا لب پر بجائے آہ　　لیکن دل رباب کی حالت پہ تھی نگاہ
یہ سوچتے تھے صبر کی بازی الٹ نہ جائے
پتھر نہیں ہے ماں کا کلیجہ ہے پھٹ نہ جائے

کیوں ان کو دفن کر دیں نہ لاشوں کے درمیان　　ان کے گلے کا زخم تو دیکھے نہ ان کی ماں
کچھ دیر سوچتے رہے شاہِ فلک نشاں　　پھر مڑ کے سوئے گنجِ شہیداں ہوئے رواں

یہ سوچ کر تھا دل میں مگر اضطراب بھی
خیمے کے در سے دیکھ رہی ہے رباب بھی

تھے طرفہ کش مکش میں شہِ آسماں وقار　　یہ سوچتے تھے ماں کو ہے اصغر کا انتظار
تھی یہ بھی فکر دیکھے گی کیونکر یہ حالِ زار　　القصہ شہ حرم سے پھرے جا کے سات یار

چاہا مگر نہ تابہ حرم جاسکے حسینؑ
نظریں جھکائے جانبِ صحرا چلے حسینؑ

جاتے تھے لاش لے کے ادھر شاہ کبر و بحر　　یاں در سے لگ کے دیکھتی تھی ماں بچشم تر
سوچا کہ شاید آئیں شہِ کربلا ادھر　　کچھ اور غم نہ ہو مجھے بیتاب دیکھ کر

پردہ گرا کے خیمے کا رستے سے ہٹ گئیں
اک آہ بھر کے جھولے کی جانب پلٹ گئیں

صحرا میں یاں پہنچ کے رُکے شاہِ دل فگار　　تپتی زمیں پہ لاش رکھی ہو کے بے قرار
تلوار سے زمیں پہ بنانے لگے مزار　　رو رو کے کہتی جاتی تھی حضرت سے ذوالفقار

کھودوں لحد میں آپ کے گلفام کے لئے
اتری تھی کیا فلک سے اسی کام کیلئے

اصغر کو دفن کرکے پھرے سیدِ انام! چلنے لگے بہ حالِ پریشاں سوئے خیام
یہ فکر تھی رباب سے کیونکر کریں کلام پوچھے گی چھوڑ آئے کہاں میرا لالہ فام
داخل ہوئے تو دیکھا کہ خاموش ہے رباب
جھولا لگا ہے سینے سے بیہوش ہے رباب

زانو سے ماں کے بالی سکینہ لگی ہوئی بیٹھی ہے اک سوال کی صورت بنی ہوئی
اک بھولی بھالی شکل نظر میں بسی ہوئی جھولے میں الجھی نظروں سے کچھ ڈھونڈتی ہوئی
جو کھیلتے تھے جھولے کے اندر کہاں گئے
معصوم کس س پوچھے کہ اصغر کہاں گئے

بی بی نہ ڈھونڈو اب علی اصغر نہ آئیں گے کچھ دن کے بعد خود وہ تمہی کو بلائیں گے
زندانِ شام میں تمہیں صورت دکھائیں گے بابا کے سر کے ساتھ تمہیں لینے آئیں گے
اصغر تو جا چکے شہِ والا کو دیکھ لو
ان کو بھی پھر نہ دیکھو گی بابا کو دیکھ لو

شبِ عاشور

دشتِ بلا میں وہ شبِ عاشور کا سماں — اہل وفا پہ ٹوٹ پڑا تھا جب آسماں
لرزاں تھیں خوفِ صبح قیامت سے بی بیاں — بچوں سے اپنے دور نہ ہٹتی تھی کوئی ماں
خواہش یہ تھی کہ بچوں کو جی بھر کے دیکھ لیں
سو بار ایک رات میں مر مر کے دیکھ لیں

سب سے زیادہ زینبِ مضطر تھیں بے قرار — فرماتی تھیں یہ عون و محمد سے بار بار
بچو! تمہارا باپ ہے سرور کا جاں نثار — وہ ساتھ آسکیں یہ نہ تھا حکم کردگار
اب ان کی لاج رکھنے کے تم ذمہ دار ہو
ماموں پہ تم سے پہلے نہ کوئی نثار ہو

زینب ادھر تھیں بچوں سے مصروف قیل و قال — خیمے میں اپنے مادرِ قاسم کا تھا یہ حال
قاسم کو اپنے پاس بٹھا کر بصد ملال — کہتی تھیں کیا ارادہ ہے اے مجتبیٰ کے لال
بیٹا چچا پہ آج قیامت کا وقت ہے
تم وارثِ حسن ہو، یہ نصرت کا وقت ہے

اور اُس طرف عجیب تھا لیلیٰ کا حال زار — تکتی تھیں پاس سے رُخِ اکبر کو بار بار
حسرت یہ تھی کہ یہ بھی ہوں شبیر پر نثار — ہونا پڑے نہ حشر میں زہرا سے شرم سار
لب بند، اشک آنکھوں میں چہرہَ اداس تھا
کچھ منہ سے کہہ نہ سکتی تھیں زینب کا پاس تھا

جھولے کے پاس مادرِ اصغر کا تھا یہ رنگ بے کل کئے تھی نصرتِ شبیر کی اُمنگ

چبھتا تھا دل میں حسرتِ ناکام کا خدنگ افسوس ہوسکیں گے نہ اصغر شریک جنگ

اب تو یہ کیا لڑیں گے کہ ننھی سی جان ہیں

جیتے بچے تو خیر سے حیدر نشان ہیں

اے کاش جانتی یہ ربابِ جگر فگار ہنس ہنس کے یوں لڑے گا یہی طفلِ شیر خوار

ہوگی وہ جنگ اُسوۂ شبیر کا نکھار منہ پھیر دیگی ظلم کا اس کے لہو کی دھار

یہ ضرب آخری ہے شہِ مشرقین کی

اس کے گلے پہ ثبت ہے عصمت حسین کی

یارب تھی کتنی سخت وہ منزل رباب کی وارث کا داغ، بچے کا غم، اپنی بے بسی

سینے میں آگ ہونٹوں پہ آہیں جمی ہوئی یہ حال اس پہ فکرِ مسلسل سکینہ کی

دل تھام کر تسلیاں بچی کو دیتی تھیں

اصغر جو یاد آتا تھا دل تھام لیتی تھیں

ناقے کے گرد ایک رسن تھی کھنچی ہوئی تھی جس میں ہر اسیر کی گردن بندھی ہوئی

قد کم جو تھا سکینہ تھی بِسمل بنی ہوئی بچی تھی پشت ناقہ سے اوپر اُٹھی ہوئی

تھا سلیوں کا خوف تو رد بھی نہ ہوسکتی تھی

گھٹتا تھا دم تو کانپ کے منہ ماں کا تکتی تھی

اک بار ناگہاں جو رسن کی گرہ کھلی　　معصوم پشتِ ناقہ سے ریتی پہ گر گئی

کچھ دیر سے رباب پہ حالت غشی کی تھی　　بچی گری تو ماں کو خبر تک نہ ہوسکی

رسی جو بازوؤں سے لپٹتی چلی گئی

بچی زمیں پہ گر کے گھسٹتی چلی گئی

رو رو کے جیسے کہتی ہو زینبؑ جگر فگار　　عباس، میرے شیر، کہاں ہو بہن نثار

تم ہو حفاظتِ حرمِ شہ کے ذمہ دار　　بھیا میں کتنی دیر سے کرتی ہوں انتظار

بچے یہ کہہ رہے ہیں انہیں جامِ آب دوں

بھیا تمہیں بتاؤ، انہیں کیا جواب دوں

یہ رات کے اندھیرے یہ صحرا اب آ بھی جاؤ　　جنگل میں ہم غریب ہیں تنہا اب آ بھی جاؤ

بھیا بلک رہی ہے سکینہ اب آ بھی جاؤ　　کیا آج شب نہ دو گے طلایہ اب آ بھی جاؤ

کہتے تھے ہر بلا سے مجھے تم بچاؤ گے

کیا قید ہو کے جاؤ گی اس وقت آؤ گے

ابھرا جو سطحِ ذہن پہ حیدرؑ کے یہ سماں　　آنکھیں بھر آئیں دل میں لگیں غم کی برچھیاں

زینبؑ سے کیسے کہتے کہ عباس اب کہاں　　بے ساختہ زباں پہ کلمہ ہوا رواں

احساس میں بسائے یہ منظر چلے گئے

زینبؑ تڑپتی رہ گئی حیدرؑ چلے گئے

زینبؑ بچھاڑ کھا کے گری فرشِ خاک پر سر پیٹ کر پکاری کہ بابا چلے کدھر
بھیا حسینؑ کچھ مجھے آتا نہیں نظر سورج کہاں ہے ہوتی نہیں آج کیوں سحر
بتلایئے قسم ہے پیمبر کی آپ کو!
کیا عمر بھر نہ دیکھوں گی اب اپنے باپ کو

ہدیہ کلثوم

عاشور کی وہ شب و دلِ کربلا لہو — سب یاورانِ شاہ بہم محو گفتگو
ہر دل کی دُھن کہ صبح کو رہ جائے آبرو — سجدے کہیں، دعائیں کہیں اور کہیں وضو
سامانِ جنگ کرتے تھے انصار شاہ کے
عباس ادھر طلائے پہ تھے خیمہ گاہ کے

ناگہ گذر جو خیمہ کلثوم پر ہوا — خیمے سے آئی کان میں اک دکھ بھری صدا
جیسے بلک بلک کے بہن کرتی ہو بکا — عباسؑ کانپ اُٹھے قدم آگے نہ بڑھ سکا
پردہ اُٹھا کے دیکھا تو گھبرا کے رہ گئے
حالت وہ تھی بہن کی کہ تھرا کے رہ گئے

دیکھا کہ گردو پیش کے عالم سے بے خبر — بیٹھی ہیں سر جھکائے ہوئے فرشِ خاک پر
آہیں وہ دل خراش کہ تھراتا ہے جگر — روئے متیں اُبلتے ہوئے آنسوؤں سے تر
نالے یہ ہیں کہ دل کا سہارا کوئی نہیں
اللہ موت بھی تو مجھے پوچھتی نہیں

جھک کر بہن سے بولے یہ عباس نامدار　　اے دخترِ علی و بتولِ فلک وقار
ہر چند ہم کو گھیرے ہے یہ فوجِ نابکار　　لیکن حضور صبر تو ہے آپ کا شعار
یوں غم میں بے قرار تو دیکھا نہیں کبھی
اس درجہ اشک بار تو دیکھا نہیں کبھی

یوں تو تمام بی بیاں ہیں غم سے تلخ کام　　ان پر ہی کیا ہے مرد بھی ہیں مضطرب تمام
ظاہر ہے صاف نیتِ افواجِ روم و شام　　اس اہتمام میں ہیں شہِ دیں کے سب غلام
پہنچے گزند کوئی نہ سبطِ رسولؐ کو
صدمہ نہ ہو بہشت میں روحِ بتولؑ کو

اہل حرم بھی سب ہیں اسی غم میں بیقرار　　بچوں کے دل بڑھاتی ہیں سب بہرِ کارزار
یہ فکر ہے کہ دہر میں رہ جائے اعتبار　　کردیں رسول زادے پہ اولاد کو نثار
حسرت ہر ایک کو ہے یہی سُرخرو رہے
اہلِ وفا میں نام رہے، آبرو رہے

اے شاہزادی آپ بھی حق سے دعا کریں　　حضرت کے جاں نثار کچھ ایسی دغا کریں
ایک اک عدد سے سبطِ نبی کو فنا کریں　　روحِ بتول شاد ہو بابا دعا کریں
صر صر کی طرح بپھریں جو ناصر امام کے
سارے چراغ کانپ کے بجھ جائیں شام کے

کلثوم نے سنی جو یہ غازی کی گفتگو اک آہِ سرد کھینچی کہ دل ہوگیا لہو
رو کر کہا کہ اے دلِ حیدر کی آرزو ممکن نہیں مرے دلِ صد چاک کا رفو
بھیا خود اپنے غم کا تو احساس کچھ نہیں
روتی ہوں اس لئے کہ میرے پاس کچھ نہیں

قاسم کو نذر شاہ کرے گی کل اس کی ماں زینب کریں گی بچوں کو نذرِ شہ زماں
لیلیٰ کے پاس نذر کو ہیں اکبر جواں میں خالی گود نذر کروں کیا بجز فغاں
اس بے بسی پہ روؤں نہ بھیا تو کیا کروں
میں نامراد بھائی پہ کس کو فدا کروں

عباس رو کے بولے کہ اے پارۂ بتول للّٰہ! میرے ہوتے نہ ہوں آپ یوں ملول
حاضر ہے اس غلام کی جاں ہو اگر قبول نذرِ امام کرکے سعادت کریں حصول
ہوں سرفراز دوسرے افراد کی طرح
پالا ہے آپ نے مجھے اولاد کی طرح

سن کے یہ شاد ہوگئیں کلثوم خستہ تن یک لخت دور ہوگئی دل میں جو تھی چبھن
بولیں گلے لگا کے اے میرے صفِ شکن اب میرا دل ٹھہر گیا صدقے ترے بہن
شرمندہ اب نہ ہونگی میں زینبؑ کے سامنے
اب سر اُٹھا کے بیٹھوں گی میں سب کے سامنے

ہتھیار خود بدن پہ تیرے میں سجاؤں گی پیش امام ساتھ تجھے لے کے جاؤں گی
بھیا کے گرد صدقے کی صورت پھراؤں گی سب سے عظیم نذر پے شاہ لاؤں گی

صفدر، سخی، جری، مرا عباس کیا نہیں
سب کچھ ہے میرے پاس، میرے پاس کیا نہیں

آئی صدائے سیدہ اے ماں کی لاڈلی مقبول کردِگار تیری نذر ہوگئی
تیری طرف سے جائے گا لڑنے کو یہ جری سب سے بڑا ہے تیرا ہی فدیہ پے اُخی

اوجِ قبولیت کی وہ منزل تو پائے گی
صدقے کی تیرے لاش بھی پھر کر نہ آئیگی

فریادِ مادرِ شبیرؑ

جب رخصتِ حسین کا ہنگام آگیا
آئے زمیں پہ گھوڑے سے سجدے میں سر جھکا
قاتل وہ آستین چڑھاتا ہوا بڑھا
بالیں پہ روحِ سیّدہ نے سر ٹپک دیا
خنجر پھرا تو ماں کا کلیجہ اُلٹ گیا
زہرا کی گود میں سرِ شبیر کٹ گیا!

قرآن کے محافظ و یاور چلے گئے
عباس و قاسم و علی اکبر چلے گئے
حد ہے کہ چھ مہینے کے اصغر چلے گئے
اب کیا رہا کہ سبطِ پیمبر چلے گئے
لاشیں پڑی ہیں گنجِ شہیداں کی خاک پر
قرآن بکھر گیا ہے بیاباں کی خاک پر

وہ جانبِ خیام بڑھی فوجِ اشقیاء
سر کھولے ساتھ ساتھ چلی بنتِ مصطفیٰ
لٹنے لگے خیام سروں سے چھنی ردا
خیمے سے نکلیں زینب مضطر برہنہ پا
آغوش میں چھپا کے خدا کے کلام کو
بازو پکڑ کے لے چلیں بیمار امام کو

زینبؑ چلی تھی خیمے سے جب ہو کے بے ردا
بیٹی کو تک رہی تھیں بڑے دکھ سے سیدہ
اک بار سوئے عالم ارواح رُخ کیا
دیکھا کہ دیکھتے ہی اِدھر ہی کو مصطفیٰ
روکے تھا جن کو ضبط وہ سوتے ابل پڑے
دیکھا پدر کو آنکھ سے آنسو نکل پڑے

فرمایا رو کے دیکھتے ہیں آپ یا نبی امت نے جو حضور کی عترت کی قدر کی
بابا صلہ تھا کیا مری خدمات کا یہی بابا مرا حسین، میری کوکھ اُجڑ گئی
بابا قصور کیا تھا میرے نورِ عین کا
بابا چھری سے کاٹا گیا سر حسینؑ کا
بابا عد مریض کا بستر بھی لے گئے خیمے سے گاہوارۂ اصغر بھی لے گئے
ظالم یتیم بچوں کے گوہر بھی لے گئے زینب کے سر سے چھین کے چادر بھی لے گئے
جاتے کہاں کہ آگ لگی ہے خیام میں
سر ننگے میری بچی ہے بلوائے عام میں
بابا اجڑ رہا تھا مرا گھر، میں پاس تھی روتا تھا مجھ پہ میرا مقدر میں پاس تھی
جب باپ سے چھٹا علی اکبر میں پاس تھی ہنستا تھا تیر کھا کے جب اصغر میں پاس تھی
دیکھا حضور مجھ پہ جو عالم گذر گیا
بابا میں چپ رہی مرا عباس مر گیا
بابا اسیر ہے مرا کنبہ میں کیا کروں بچوں پہ بڑھتی جاتی ہے ایذا میں کیا کروں
بابا بلک رہی ہے سکینہ میں کیا کروں بابا میں کیا کروں میرے بابا میں کیا کروں
کیجیے دعا کہ صبر مجھے کردگار دے
مالک یہ کرب روح کی منزل گذار دے

دردِ مشترک

زہرا جفائے بانیٔ شر دیکھتی رہی　　کٹتا رہا حسین کا سر دیکھتی رہی!
سینے میں ماں کا دل تھا مگر دیکھتی رہی　　اور خیمے سے بہن سوئے در دیکھتی رہی
رن میں جو شورِ قتل شہِ کربلا ہوا
اک چیخ منہ سے نکلی کہ ''اماں یہ کیا ہوا''

تڑپا جو دل تو خیمے میں زینب نہ رک سکی　　اٹھی، بڑھی، قنات سے ٹکرا کے گر پڑی
سنبھلی، جگر کو تھام کے پھر اُٹھ کھڑی ہوئی　　مقتل کی سمت ٹھوکریں کھاتی ہوئی بڑھی
کچھ تن بدن کی سُدھ تھی نہ چادر کی فکر تھی
مقتل پہ تھی نگاہ برادر کی فکر تھی

پہنچی قریبِ مقتلِ سالار کربلا　　دیکھا کہ کٹ چکا سر اطہرِ حسینؑ کا
ریگ تپاں پہ ہے تنِ اقدس پڑا ہوا　　پیاسے کا جسم ہے تو ہے خوں بھی جما جما
پہلے تو بے یقینی میں دوگام ہٹ گئی
پھر تھر تھرا کے لاشہ شہ سے لپٹ گئی

چلائی سر کو پیٹ کے ''بھیا چلے گئے''　　جنگل میں مجھ کو چھوڑ کے تنہا چلے گئے
تم ہی تو تھے بہن کا سہارا چلے گئے　　دنیا ہی ختم ہوگئی تم کیا چلے گئے
عباس و قاسم و علی اکبر کوئی نہیں
بے آسرا ہوں اب میرے سر پر کوئی نہیں

بھیا چھنی جو سر سے ردا کیا کرونگی میں لوٹیں گے جب یہ اہل جفا کیا کروں گی میں
ٹوٹے گی جب بلا پہ بلا کیا کروں گی میں میرا تو کوئی بھی نہ رہا کیا کروں گی میں

اماں چلی گئیں مرے بابا چلے گئے
اب تم بھی مجھ کو چھوڑ کے تنہا چلے گئے

بھیا کھنچے مریض کا بستر تو کیا کروں جل جائے گا ہوارۂ اصغر تو کیا کروں
چھینے شقی سکینہ کے گوہر تو کیا کروں لگ جائے آگ خیموں کے اندر تو کیا کروں

شمرِ لعیں سکینہ کے کوڑے لگائے گا
میں کیا کروں گی مجھ سے تو دیکھا نہ جائے گا

زینب تڑپ تڑپ کے یونہی پیٹتی تھی سر ناگاہ سوئے گنجِ شہیداں اُٹھی نظر
لاشے پڑے تھے سارے شہیدوں کے خاک پر دل میں اُٹھی جو ٹیس الٹنے لگا جگر

آواز دی تڑپ کے کہ اکبر کدھر گئے
تم سو رہے ہو چین سے بابا گذر گئے

اکبر کہاں تھے سُنتے جو مظلوم کی پکار کچھ اور بڑھ گیا دلِ زینب کا اضطرار
رُخ کرکے سوئے نہر صدا دی یہ ایک بار عباس دیکھتے ہو بہن کا یہ حالِ زار

کہتے تھے ہر بلا سے مجھے تم بچاؤ گے
کیا قید ہو کے جاؤں گی اس وقت آؤ گے

رُخ کرکے پھر مدینے کی جانب یہ دی صدا　　اماں قیامت آگئی کچھ آپ نے سنا
پیک اجل نے دیکھ لیا گھر رسولؐ کا　　تنہا کھڑی ہوں دشت میں بھائی بچھڑ گیا
ٹھہروں یہیں کہ خیمے میں جا کر بکا کروں
اماں تمہیں بتاؤ، کہاں جاؤں کیا کروں
کیسے بیاں ہو جو دلِ زینب کا حال تھا　　رُخ جانبِ مدینہ تھا اور لب پہ تھی بکا
ناگاہ آئی لاش کی بالیں سے یہ صدا　　بیٹی شریک تیرے دکھوں میں ہے فاطمہ
تجھ کو خیال ہے میں لحد کی فضا میں ہوں
جب سے حسینؑ آیا ہے میں کربلا میں ہوں
گزری ہے گھر پہ ساری جفا میرے سامنے　　اکبر کے دل پہ نیزہ لگا میرے سامنے
عباس زخم کھا کے گرا میرے سامنے　　اصغرؑ کا حلقِ خشک چھدا میرے سامنے
خنجر سے کٹ رہا تھا گلا جب حسین کا
زانو پہ میرے سر تھا مرے نورِ عین کا
بیٹی یہی مشیتِ داور تھی صبر کر　　خیمے میں جا کر بیوؤں کی اب تو ہے راہبر
زینب ابھی تو باقی ہے تقدیر کا سفر　　کل قید ہو کے جائے گی تا شام ننگے سر
اشکوں سے خون لاش کا دھویا کرونگی میں
تو تو نہ روسکی اسے، رویا کروں گی میں

زینب نے سیّدہ کی صدا سن کے ناگہاں　　　رو کے جو اشک سینے اُٹھنے لگا دھواں
بیٹی اِدھر تڑپتی تھی بے کل اُدھر تھی ماں　　　اک دوسرے کو دیتی تھیں دونوں تسلیاں

چاہا بہت نہ دل کی مگر بے کلی گئی
زہرا تڑپتی رہ گئیں، زینب چلی گئی

یہ سارے منازل تو گذار آئی زینب　　　خوابیدہ ضمیروں کو پکار آئی تھیں زینب
ذہنوں کو دماغوں کو نکھار آئی تھی زینب　　　ہر نقش صداقت کو اُبھار آئی تھی زینب

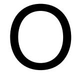
زنداں میں مگر ہار گئی امرِ قضا سے
نکلی نہ سکینہ مری زندانِ بلا سے

میں لا نہ سکی ساتھ اُسے شرمندہ ہوں بھائی　　　وہ مرگئی زنداں میں مجھے موت نہ آئی
میں چپ رہی اور لٹ گئی بھابھی کی کمائی　　　عابدؑ نے بندھے ہاتھوں سے خود قبر بنائی

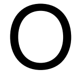
رو رو کے تھکی ایسی کہ چپ ہوگئی بچی
جس گوشے میں بیٹھی تھی وہیں سو گئی بچی

کہتی تھی یہ رو رو کے ادھر زینب مضطر　　　روتی تھیں ادھر بی بیاں پیاروں کی لحد پر
دو(۲) تربتیں اشکوں سے مگر ہو نہ سکیں تر　　　زینب نے سنا کہتی ہو ماں جیسے یہ رو کر

کس یاس سے تکتے ہیں تجھے دیر سے زینب
ان بچوں کو بھی ایک نظر دیکھ لے زینب



آزادی میں بھی قیدی احساس تھا حُر
دُوری میں بھی شبیرؑ ہی کے پاس تھا حُر
آیا تھا حبیب بن کے بہرِ نصرت
رخصت لے کر چلا تو عباسؑ تھا حُر



اک خواب کی تعبیر نظر آتی ہے
اک ذبح کی تصویر نظر آتی ہے
ہر چند مکمل تھی اذانِ اکبر
تکبیر ہی تکبیر نظر آتی ہے

بعدعصر

جب رن میں قتل فوجِ شہِ کربلا ہوئی سبطِ رسول قتل ہوئے انتہا ہوئی
لیکن نہ ختم اہل جفا کی جفا ہوئی اس کربلا کے بعد پھر اک کربلا ہوئی

اب تک یہ پوچھتا ہے مورخ یزید سے
رنجش حرم سے تھی کہ امامِ شہید سے

اصغر نے کیا کیا تھا کہ چھیدا گیا گلا جرمِ سکینہ کیا تھا کہ دردوں کی دی سزا
بیمار کس خطا پہ اسیرِ جفا ہوا زینب کا کیا قصور تھا کیوں چھین لی ردا

بے بس رباب تکتی تھی کس درد و یاس سے
اک ماں کو کیوں ہٹا دیا جھولے کے پاس سے

لائے گئے حرم سرِ دربار کس لئے رسو کئے گئے سرِ بازار کس لئے
طوقِ گران و گردنِ بیمار کس لئے دُرّوں کا ظلم، ظلم پہ اصرار کس لئے

مسلے گئے جو پھول ریاضِ بتولؑ کے
کس کو کیا تھا قتل حرم نے رسول کے

اللہ! بعد قتلِ شہنشاہ انس و جاں کیا کیا نہ فوجِ ظلم کی تھیں بد لگامیاں
وہ قہقہے وہ خیموں سے اُٹھتا ہوا دھواں وہ بی بیوں کا صبر وہ بچوں کی سسکیاں

دل چیرتی وہ زینب ناشاد کی صدا
وہ اک بہن سے بھائی کی فریاد کی صدا

بھیا! تمہارے بعد اسیرِ جفا ہوئے خیمے جلا دیئے گئے ہم بے ردا ہوئے
گستاخ کتنے آج یہ اہل خطا ہوئے ہنس ہنس کے پوچھتے ہیں کہ عباس کیا ہوئے

کہتے ہیں طنز سے وہ دلاور کہاں گئے
قاسم کو کیا ہوا، علی اکبر کہاں گئے

بھیا تمہیں بتاؤ انہیں کیا جواب دوں بیوائیں روتی ہیں انہیں کیا کہہ کے چپ کروں
خود بے ردا ہوں کیسے غریبوں کے سر ڈھکوں بچوں کو ساتھ لے کے میں کس بن میں جا چھپوں

تاکید صبر کی تھی میں پابند اسی کی ہوں
لیکن خیال آتا ہے بیٹی علیؑ کی ہوں

چھنتے رہے سکینہ کے گوہر میں چپ رہی جلتا تھا گاہوارۂ اصغر میں چپ رہی
کھنچتا رہا مریض کا بستر میں چپ رہی سر سے اُتر گئی مرے چادر میں چپ رہی

بیمار غش میں ہے اُسے کیونکر اٹھاؤں میں
خیمے تو جل چکے ہیں کہاں لے کے جاؤں میں

بھیا کس طرح میرے اکبر کو بھیج دو بھیا رباب روتی ہے اصغر کو بھیج دو
عباس میرے شیرِ دلاور کو بھیج دو وقتِ مدد ہے ثانی حیدرؑ کو بھیج دو

شمر آرہا ہے بچوں کے کوڑے لگائے گا
میں کیا کروں گی مجھ سے تو دیکھا نہ جائے گا

زینب کی اس صدا پہ قیامت ہوئی بپا لرزا ہوا زمیں کو فلک کانپنے لگا
کانوں میں آئی زینب مضطر کے یہ صدا بیٹی سے جیسے کہتی ہو رو رو کے سیدہؑ

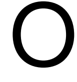
زینبؑ یہی مشیت داد رہے صبر کو
اب صبر ہی ترے لئے بہتر ہے صبر کر

بیٹی ابھی تو باقی ہے تقدیر کا سفر ! کل قید ہو کے جانا ہے تا شام ننگے سر
بازار میں پھر آئیں گے تجھ کو یہ اہل شر رو بھی سکے گی تو تو نہ بھائی کی قبر پر

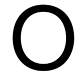
اشکوں سے کاک قبر کی دھویا کروگی میں
تو تو نہ رو سکی اسے رویا کروں گی میں

اس دن سے قبر شاہ پہ روتی ہے سیدہؑ اور پوچھتا ہے لوگوں سے یہ دینِ مصطفیٰ
لوگوں بتاؤ آل نبی کی تھی کیا خطا کیا خوب تم نے اجرِ رسالت ادا کیا

ٹوٹی ہیں کیا قیامتیں آل رسول پر
اللہ کتنے ظلم ہوئے ہیں بتول پر



فطرت کا دباؤ زندگی پر اصرار
آوازِ شہید، زندگی حق پہ نثار
اور آگے بڑھے تو ابتدائے شبیرؑ
خود موت کو زندگی بنانے کا شعار



حد بندیء ایمان سمجھنا سیکھو
کیا فرض ہے، کیا جان سمجھنا سیکھو
کُھل جائے گا رازِ جدوجہدِ شبیرؑ
قرآن کو قرآن سمجھنا سیکھو

شامِ غریباں

بعد قتل شاہ جب لرزاں تھی ساری کائنات　　کربلا کے دشت میں اُبھرے کچھ ایسے واقعات
جب زمیں والوں نے دیکھی خود شہیدوں کی حیات　　وہ جلے خیمے، وہ بیوائی، وہ بچے اور وہ رات

دشت کی ویرانیاں حد سے زیادہ جب بڑھیں
نہر کو دیکھا، طلائے کے لئے زینب بڑھیں

خواہرِ عباس مصروفِ طلا یہ تھیں اِدھر　　دفعتاً آواز سے ٹاپوں کی گونجے دشت و در
دور سے بڑھتا ہوا اک شہسوار آیا نظر　　بڑھ کے زینب نے صدا دی کون آتا ہے ٹھہر

بے بسوں پر یہ ستم انسانیت سے دور ہے
صبح آکر لوٹ لینا گر یہی منظور ہے

آنے والے نے تڑپ کر آہ کی الٹی نقاب　　سامنے زینب کی نظروں کے کھڑے تھے بوتراب
باپ کو دیکھا رہی باقی نہ ضبطِ غم کی تاب　　اشکِ خوں بن کر امنڈ آیا جگر کا اضطراب

ایک اک مقتول کی صورت نظر میں پھر گئی
''ہائے بابا'' کہہ کے پائے مرتضٰی پر گر گئی

روکے بولی ''ہائے بابا حشر برپا ہوگیا''　　دیکھتے ہیں آپ کیا عالم تھا اور کیا ہوگیا
دوپہر میں ختم سب زہرا کا کنبہ ہوگیا　　لٹ گئی میں قتل احمدؐ کا نواسا ہوگیا

آسرا گھر بھر کا عباسِ دلاور چل بسا
موت نے مجھ کو نہ پوچھا میرا اکبر چل بسا

کھا گئی چُن چُن کے بھائی کے ہر اک یاور کو موت   لائی تھی اسی دشتِ پُر آشوب میں گھر بھر کو موت

ل گئی مجھ سے جدا کر کے مرے اکبر کو موت   کھینچ لائی رن میں جھولے سے علی اصغرؑ کو موت

جن کو اپنی تھی نہ اوروں کی خبر، وہ بھی گئے

ذکر کیا عون و محمد کا مگر وہ بھی گئے

آپ اب آئے ہیں بابا جب قیامت ہو چکی   موت کے جنگل میں سب اولادِ زہراؑ سو چکی

اب خبر لی آپ نے گھر بھر کر جب میں رو چکی   اپنا عباس، اپنا اصغر، اپنا اکبر کھو چکی

مضطرب ہے خاک پر بیمار بستر بھی نہیں

ہائے بابا اب تو میرے سر پر چادر بھی نہیں

رو کے فرمایا علیؑ نے اے مری لختِ جگر   اور اونچا ہوگیا بے پردہ ہو کر تیرا سر

میں طلاے پر ہوں اب خیمے میں جا کر آرام کر   ہے ابھی درپیش تجھ کو شام و کوفہ کا سفر

اور چلنا ہے ابھی تجھ کو وفا کی راہ میں

کچھ مقامات اور بھی ہیں کربلا کی راہ میں

سر برہنہ پھر کے سب کو منہ دکھانا ہے تجھے   ہاتھ بندھوا کر میرے کوفے کو جانا ہے تجھے

صبح ہوتے اک نئی ایذا اٹھانا ہے تجھے   بھائی کا قصہ زمانے کو سنانا ہے تجھے

اے مری خود دار بچی بہرِ یزداں صبر کر

تیری مجبوری پہ روتی ہے تری ماں صبر کر

سفر کوفہ و شام

جب رن میں بعدِ شام غریباں سحر ہوئی روشن شعاعِ مہر سے ہر رہ گذر ہوئی
بے وارثوں کی رات تڑپ کر بسر ہوئی راہِ وفا کی ایک مہم اور سر ہوئی
بھر کر نظر میں حادثہ کربلا بڑھا
اب تازہ منزلوں کی طرف قافلہ بڑھا
نکلا جو دن تو سوئے حرم اہل شر چلے تازہ ستم پہ باندھ کے ظالم کمر چلے
کچھ لوگ رسیوں کے سرے تھام کر چلے بیکس تڑپ رہے تھے جدھر سب ادھر چلے
بلوے میں سر برہنہ ہے عترت رسولؐ کی
زینبؑ دہائی دیتی ہے روحِ بتولؑ کی
اب کون ہے سنے جو صدائے دل حزیں اکبر بھی دور جاچکے عباس بھی نہیں
آخر نبی کی آل کی مشکیں کسی گئیں دُرّے لگاتے لے چلو بیووں کو اہل کیں
دیکھی فلک نے یہ بھی جفا اہل شام کی
طوقِ گراں سے چھل گئی گردن امام کی
چھوٹے بڑے تھے ایک رسن میں بندھے ہوئے بچے گھسٹ رہے تھے مگر رو نہ سکتے تھے
ظالم جھٹک جھٹک کے اسیروں کو لے چلے کیا قہر تھا چلے بھی تو مقتل کی راہ سے
مقصد یہ تھا کہ دل کی خراشیں بھی دیکھ لیں
جاتے ہوئے عزیزوں کی لاشیں بھی دیکھ لیں

گزرے ادھر سے ہو کے جو یہ سوختہ جگر — کچلا پڑا تھا لاشہ شہ جس مقام پر
زینبؑ زمیں پہ گر پڑی اک چیخ مار کر — تڑپا ادھر زمیں پہ تنِ شاہِ بحر و بر
فریاد کی بہن نے جو رو کر حسینؑ سے
کونین تھر تھرا اُٹھے زینبؑ کے بین سے
وہ پارہ پارہ لاش وہ دل چیرتی بکا! — وہ دشت ہولناک وہ سہمی ہوئی فضاء
شورِ فغاں سے چونک اُٹھا دشتِ کربلا — جیسے کہ ذرّے ذرّے سے آتی ہو یہ صدا
بھیا تمہارے بعد اسیرِ جفا ہوئے
خیمے جلا دیئے گئے ہم بے رَدا ہوئے
بھیا تڑپ رہی تھی سکینہ زمین پر — کانوں سے اس کے کھینچتے تھے دُر جب اہل شر
آواز روکتی تھی کہ تھا سیلیوں کا ڈر — رہ رہ کے ماں کو تکتی تھی یا مجھ پہ تھی نظر
حسرت سے میں اُسے وہ مجھے دیکھتی رہی
بھیا میں کچھ نہ کرسکی چپکی کھڑی رہی
رات آئی جب تو دشت ہوا اور پُر خطر — آواز سے ہوا کی بھی لگتا تھا سب کو ڈر
عباس بھی نہ آئے ترائی کو چھوڑ کر — خیمے کے گرد پہرہ دیا میں نے رات بھر
کیا جانتا تھا کوئی مقدر کے حال کو
یہ دن بھی دیکھنے تھے پیمبر کی آل کو

آئی سحر تو اور قیامت بپا ہوئی طوق و رسن میں آلِ محمدؐ کی گئی

لے جارہے ہیں اب سوئے کوفہ ہمیں شقی بھیا بھلا سکے گی نہ زینب یہ بے بسی

مقتل میں لاش چھوڑ کے یوں بے کفن چلی

بھیا خدا تمہارا محافظ بہن چلی

اُٹھی یہ کہہ کے روتی ہوئی فرش راہ سے میت کو دیکھا یاس میں ڈوبی نگاہ سے

کونین تھر تھرا اُٹھے بی بی کی آہ سے آئی صدائے سیدہؑ بالینِ شاہ سے

تو ہی نہیں ہے غمزدہ میں بھی اُداس ہوں

جا میری چاند میں ترے بھائی کے پاس ہوں

مجلس جب اپنے لال کی برپا کرونگی میں بابا کو کربلا میں بلایا کروں گی میں

مقتل کو اپنے بالوں سے جھاڑا کرونگی میں تو تو نہ روسکی اسے رویا کروں گی میں

آیا کریں گے اس کے عزادار حشر تک

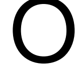
ماتم کریں گے قبر پہ زوار حشر تک

اے سیدہؑ غلاموں کے آنسو قبول کر روتے ہیں کیسے درد سے یہ تیرے لال پر

دو ماہ سے یہ غم تھا اور ان کے دل و جگر گھر کی تو کیا خود اپنی بھی ان کو نہ تھی خبر

جی بھر کے پھر بھی رو نہ سکے تیرے لال کو

تکتے رہیں گے سال بھر اب اگلے سال کو



ایثار کے مسئلے کو حل کون کرے
خود وڑ کے تقدیم اجل کون کرے
اے اسوۂ شبیرؑ کے مدحت خوانو
تعریف تو تم کرو عمل کون کرے

راہِ شام

حسینی قافلہ کوفے سے سُوئے شام چلا ۔ مہار تھام کے اونٹوں کی پھر امام چلا
جلو میں اُسوۂ شبیرؑ کا پیام چلا ۔ خدا کا دین بڑھا مصطفیٰ کا نام چلا
اصولِ مذہبِ حق کی صدا بھی ساتھ گئی
جہاں جہاں وہ گئے کربلا بھی ساتھ گئی

مگر نہ پوچھیئے کتنی وہ راہ تھی دشوار ۔ ہر ایک گام پہ ہوتی تھی کربلا بیدار
حرم تھے اونٹوں پہ بے محمل و کجا وہ سوار ۔ مہار تھامے سلاسل نصیب اک بیمار
قدم لرزتے تھے رسا تھا خوں جو چھالوں سے
کچوکے دیتے تھے ظالم سناں سے بھالوں سے

اِدھر تھے اہلِ بے نقاب و بے چادر ۔ پڑے تھے گرد بھرے بال جن کے چہروں پر
اُدھر تھے نیزوں پہ جلوہ فگن شہیدوں کے سر ۔ اور آگے نیزۂ خونی پہ خود سر سرور
حرم کی سمت سے نظروں کو یوں ہٹاتا تھا
کہ وقفہ وقفہ سے قرآن پڑھتا جاتا تھا

انہیں بلاؤں میں جاری تھا قافلے کا سفر ۔ کہ چلتے چلتے رکا دفعتاً سرِ سرور
پھسل کے گڑ گیا نیزہ زمین کے اندر ۔ نکالتے رہے ظالم نکل سکا نہ مگر
لعین ہوگئے سب جمع شور و شر اٹھا
ہزار چاہا زمیں سے مگر نہ سر اُٹھا

اُٹھا کے دُرّہ بڑھا شمر جانبِ بیمار بگڑ کے بولا کہ کیوں اے مریض شعبدہ کار
زمیں سے کیوں نہیں اُٹھتا سر شہِ ابرار اٹھا نہ سر تو بس اب تو ہے اور دُرّوں کی مار
مریض نے رُخِ بے پیر کی طرف دیکھا
تڑپ کے پھر سر شبیرؑ کی طرف دیکھا
سرِ حسین پکارا کہ شمرِ بد گوہر سکینہ ناقے سے گر کر تڑپ رہی ہے اِدھر
وہ پھر سے ہوگی نہ جب تک سوار ناقے پر نہ سر اُٹھے گا مرا اور نہ بڑھ سکے گا سفر
چلا نہ شمر کا بس روکنا پڑا سب کو
مریض امام نے بڑھ کر اُتارا زینب کو
پکارتی ہوئی بچی کو زینب مضطر چلیں اِدھر کو سکینہ تڑپ رہی تھی جدھر
قریب پہنچیں تو دیکھا عجیب اِک منظر کہ ایک بی بی کے زانو پہ ہے سکینہ کا سر
وہ بی بی بیٹھی ہیں رخ پر نقاب ڈالے ہوئے
بدن لرزتا ہوا دل مگر سنبھالے ہوئے
تھپک رہی ہیں سکینہ کو لوریاں دے کر کبھی ہے بچی کی جانب کبھی فلک پہ نظر
ہیں اشک آنکھوں سے جاری کہ کل نقاب ہے تر تڑپ کے بیٹھ گئیں پاس زینبؑ مضطر
کہا کہ بچی کو دے دیجئے مجھے بی بی!
بڑا کرم کیا اللہ اجر دے بی بی

خدانے آپ کے دل میں یہ رحم ڈال دیا	کہ یوں خیال رکھا اس یتیم بچی کا!
زمانہ ہم سے تو ہے ورنہ اتنا برگشتہ	کہ سانس لینے پہ ملتی ہے سیلیوں کی سزا

عجیب وقت پڑا ہے نبی کی عترت پر
کوئی ترس نہیں کھاتا ہماری غربت پر

ہمارا ساتھ بُرے وقت میں دیا بی بی	نبی کے صدقے میں اللہ اجر دے بی بی
بتایئے تو ہے کیا نام آپ کا بی بی !	کہ ہم نمازوں میں کرتے رہیں دُعا بی بی

اگرچہ رحمت باری سے ہم کو یاس نہیں
مگر دُعا کے سوا کچھ ہمارے پاس نہیں

یہ سُن کے آہ بھری تھر تھرا گئیں بی بی	یہ کہہ کے کانپتے ہاتھوں سے پھر نقاب اُلٹی
میں فاطمہؑ ہوں تری دکھیا ماں مری بچی	میں تیرے صبر کی واری بڑی بلا جھیلی

مگر میں خود بھی فلک کی ستائی ہوں زینب
میں کربلا سے ترے پاس آئی ہوں زینب

میں تیرے بھائی کے لاشے پہ بین کرتی تھی	کہ ایک بچی کی فریاد گوشِ دل نے سنی
اور اس کے ساتھ ہی لاش حسینؑ کانپ گئی	صدا یہ حلق بُریدہ سے دفعتاً اُبھری

اک اور تازہ قیامت بپا ہوئی اماں
سکینہ دشت میں ناقے سے گر گئی اماں

وہاں اسیروں کو اس کی خبر نہیں اصلا　　　رباب ہوگئی بیہوش، کون بتلاتا
میں اپنے سر سے یہ کہتا ہوں روک کے رستا　　　حضور آپ سکینہ کے پاس جائیں ذرا

کہ آئے صبر مری نا صبور بچی کو
میں قافلے کو سنبھالوں حضور بچی کو

میں اپنے لال کی یہ بے کلی نہ دیکھ سکی　　　خدا پہ لاش کو چھوڑا، ادھر چلی آئی
یہاں میں دیر سے تیری ہی راہ تکتی تھی　　　سنبھال بچی کو زینب میں کربلا کو چلی

اکیلی دشت میں ہے میرے نورِ عین کی لاش
بلا رہی ہے مجھے پھر مرے حسینؑ کی لاش

تڑپ کے زینب مضطر لپٹ گئی ماں سے　　　رواں تھا اشکوں کا سیلاب چشمِ گریاں سے
یہ بین کرتی تھی پیہم لپٹ کے داماں سے　　　خدا کے واسطے اماں نہ جایئے یاں سے

گھُلا رہا ہے مجھے کربِ مستقل میرا
رہیں گی آپ تو بہلا رہے گا دل میرا

رہیں حضور تو بھائی کی لاش پر گریاں　　　پھری میں کوفے کی گلیوں میں ننگے سر اماں
میں ڈھونڈتی تھی مگر سخت جاں کو موت کہاں　　　پکارتی رہی بابا بھی آسکے نہ وہاں

تھا وقت سخت نہ جانے کہاں رہے بابا
بس ایک بار مرے پاس آئے تھے بابا

وہ شام آئی تھی جو بعدِ رخصت سرور   وہ شام شامِ غریبانِ آلِ پیغمبرؐ
لبِ فرات تھے عباس میں طلائے پر   میری مدد کے لئے آئے تھے وہاں حیدرؑ
میں منتظر تھی کہ آئیں گی آپ بھی اماں
حضور نے تو وہاں بھی خبر نہ لی اماں
تڑپ کے سیدہؑ بولیں نہ رو مری بچی   تجھے میں ایسے میں تنہا تو چھوڑتی نہ کبھی
مگر حسینؑ کی میت وہاں اکیلی تھی   سرہانے بیٹھی میں روتی تھی واں کہ آئے علیؑ
کسی کو رہنا تھا ہر ایک نورِ عین کے پاس
وہ تیرے پاس گئے میں رہی حسینؑ کے پاس
یہ لے سکینہ کو جا سوئے کارواں زینبؑ   ابھی تو باقی ہیں کچھ اور امتحاں زینب
ابھی سکوں تری تقدیر میں کہاں زینبؑ   ابھی تو منزلِ زنداں ہے درمیاں زینب
وطن تو لوٹ کے جانا نہیں سکینہ کو
جہاں کی مٹی ہے لے جا وہیں سکینہ کو

وداعِ سکینہ

حرم رسولؐ کے جاتے ہیں قید خانے کو کچھ اور سہنے کو دکھ اور غم اٹھانے کو
زبانِ حال سے ذکر الم سنانے کو نئی زمیں پہ نئی کربلا بنانے کو
اب اور پھیلے گی دنیا میں داستانِ حسینؑ
کہ خود صدائے سلاسل ہے ترجمانِ حسینؑ

وہ قید خانہ وہ بے چھت کا اک شکستہ مکان نہ دن کی دھوپ نہ راتوں کی تیرگی سے اماں
وہ بی بیوں کے تصور میں کربلا کا سماں کوئی خموش، کوئی غش میں اور کوئی گریاں
کوئی ستم زدہ قاسم کو یاد کرتی ہے
کسی کے ذہن میں اکبر کی شکل اُبھرتی ہے

وہ تپ، وہ ضعف کا عالم، وہ عابدِ بیمار گلے میں طوق، سلاسل سے دست و پا بیکار
ادھر وہ بنتِ علیؑ، نائب شہ ابرار ستم رسیدہ اسیروں کی قافلہ سالار
نظر میں منظرِ کرب و بلا بسائے ہوئے
ہر ایک سانس پہ صدیوں کا بوجھ اُٹھائے ہوئے

سکینہ شام کے زنداں میں تھی الم سے نڈھال کبھی چچا کا تصور، کبھی پدر کا خیال
کبھی رباب سے باتیں، کبھی پھپھی سے مقال کبھی خموش، کبھی عابدِ حزیں سے سوال
چچا کب آئیں گے دریا سے لوٹ کر بھیا
یہاں سے نہر کا ہے کس قدر سفر بھیا

میں کربلا میں رہی منتظر نہیں آئے　　لعین لے گئے میرے گہر نہیں آئے
جلا دیئے گئے ہم سب کے گھر نہیں آئے　　صدائیں دیتی رہی ہیں مگر نہیں آئے

ہوائے سرد ترائی میں جب ملی ہوگی
تھکے ہوئے تھے بہت نیند آگئی ہوگی

مگر اب ایسی بھی کیا نیند اب تو اُٹھ جائیں　　نہ لائیں پانی مگر خود تو یاں چلے آئیں
اندھیرے گھر میں کہاں تک سہوں میں ایذائیں　　میں خود ہی جاتی ہوں دیکھوں وہ غدر کیا لائیں

ذرا سی دیر کو دربانوں کو ہٹا دیجئے
کدھر ہے نہر کا رستہ مجھے بتا دیجئے

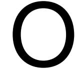
تڑپتی رہتی تھی معصوم یوں ہی شام و سحر　　تسلیاں اسے دیتے تھے عابدؑ مضطر
رباب روتی تھی بچی کی بھولی باتوں پر　　نگاہِ یاس سے تکتی تھیں زینب پر

پیامِ مرگ نبی دل کی بے کلی آخر
چچا کے پاس بھتیجی چلی گئی آخر

یہ زخم تازہ جو اہلِ حرم کے دل پہ لگا　　تو قید خانے میں اک حشر ہوگیا برپا
تڑپ کے جانبِ عابدؑ رباب نے دیکھا　　بس اتنا کہہ سکیں "ہے ہے یہ کیا ہوا بیٹا"

سنبھل سکا نہ دلِ پاش پاش بیٹھ گئیں
لگا کے سینے سے بچی کی لاش بیٹھ گئی

تڑپ کے آئیں قریب رباب بنتِ علیؑ   کہا کہ بچی کو دے دیجئے مجھے بھابھی
خدا کی مرضی میں انساں کا دخل کیا بی بی!   یہ روز روز کی ایذاؤں سے تو چھوٹ گئی
نہ دن کو تڑپے گی اب اور نہ شب کو روئے گی
جناں میں باپ کے سینے سے لگ کے سوئے گی
یہ کہہ کے لے لیا بچی کو گود سے ماں کی   پلٹ کے سیدِ سجادؑ پر نظر ڈالی
یہ مدعا تھا کہ کچھ دفن کی ہو تیاری   مگر کفن تھا میت نہ غسل کو پانی
مریض ایسے میں کرتا بھی کیا بہن کے لئے
کسی کے سر پہ ردا تک نہ تھی کفن کے لئے
کفن یہ دے سکے بچی کو عابدؑ مضطر   جو تھا پھٹا ہوا کرتا تنِ سکینہ پر
بنائی خانہ زنداں میں قبر رو رو کر   اُٹھائی کانپتے ہاتھوں سے لاشِ خستہ جگر
اتاری قبر میں میت تو آنکھ بھر آئی
زمینِ شام میں بھی کربلا اُبھر آئی
تڑپ کے بولے کہ اے خستہ تن خدا حافظ   الم رسیدہ غریب الوطن خدا حافظ
مری غریب، مری کم سخن خدا حافظ   ملیں گے حشر میں اب اے بہن خدا حافظ
بہن کو غسل و کفن تک نہ دے سکا بھائی
تجھے تو علم ہے مجبور تھا ترا بھائی



کہو گے کیا اسے گر بغض و دشمنی نہ کہو
کہ صرف ضد میں کوئی بات کام کی نہ کہو
وہ کہہ رہے ہیں علیؑ ہے خدا کانام مگر
علیؑ اک اور بھی گذرا ہے یا علیؑ نہ کہو

''زندانِ شام، مرگِ سکینہ، واپسی کربلا''

زنداں کو چلے جب حرمِ سید ابرار ڈوبے افقِ شام میں یثرب کے وہ انوار
وہ بچے، وہ بیوائیں، وہ اک صاحب آزار بے چھت کا وہ گھر آگ اُگلتے درو دیوار
بستر تھا کڑی دھوپ کا شبنم کی ردا تھی
اے مومنو! یہ آلِ رسول دوسرا تھی
وہ شام کے تیروں کا ہدف قلبِ مدینہ طوفاں کے تھپیڑوں میں محمدؐ کا سفینہ
ہر حکم میں حاکم کے عداوت کا قرینہ اور پچھلے پہر شب کو وہ فریاد سکینہ
جلادوں کے نرغے میں مجھے چھوڑ کے بابا
اصغر کو خدا جانے کہاں لے گئے بابا
میں روتی ہوں چلاتی ہوں بابا نہیں آتے سب لوگوں کو تڑپاتی ہوں بابا نہیں آتے
ایک ایک سے بلواتی ہوں بابا نہیں آتے تھک ہار کے سو جاتی ہوں بابا نہیں آتے
سچ کہتی ہوں دنیا سے گذر جاؤں گی اک دن
بابا نہ اگر آئے تو مرجاؤں گی اک دن
سچ کہتی تھی رو رو کے یونہی مرگئی بچی بابا نہ ملے جب تو سفر کر گئی بچی
پیاسی تھی بہت جانبِ کوثر گئی بچی دُرّوں کے نشاں لے کے بدن پر گئی بچی
یہ سب سے بڑا زخم تھا زینب کے جگر پر
دل روتا تھا بھائی کی امانت کے ضرر پر

میت کی طرف دیکھ کے کہتی تھی بہ حسرت ہَے ہَے مری بچی مرے بھائی کی امانت
شرمندہ ہوں میں کر نہ سکی تیری حفاظت بابا سے نہ کرنا مری جنت میں شکایت
سچ ہے کہ کفن تجھ کو میسر نہیں بیٹی
میں کیا کروں سر پر مرے چادر نہیں بیٹی

روتی رہی زنداں میں وہ قسمت کی ستائی سجادؑ نے بچی کی وہیں قبر بنائی
مجبوروں کو تقدیر اب اس موڑ پہ لائی زنداں سے ملی آلِ پیمبر کو رہائی
زینب نے دیا حکم چلو کرب و بلا کو
جاؤں گی وطن پرسہ تو دے لوں شہداء کو
زینب کی صدا سارے اسیروں کی صدا تھی ہر آنکھ میں تصویر شہیدانِ وفا تھی
ہر دل کی یہ آواز تھی ہر لب کی دُعا تھی ہر فکر کا مقصودِ نظر کرب و بلا تھی
درکار تھا بس حکم امام اہل رضا کو
عابدؑ نے دیا اذن چلے کرب و بلا کو

....

پہنچے حرمِ شہ جو سرِ مقتلِ شبیرؑ ہر آنکھ میں پھرنے لگی مظلوموں کی تصویر
مرقد جو نظر آئے تو سینوں میں لگے تیر مٹی میں ملی کیسے حسیں خوابوں کی تعبیر
غم دیدوں کے دل رکھ دیئے مقتل نے اُلٹ کر
رونے لگے ایک ایک کی تربت سے لپٹ کر
لیلیٰ نے کیا رُخ طرفِ مرقدِ اکبر قاسم کی لحد آنسوؤں سے ماں کے ہوئی تر
کہتی تھی رباب آؤ کہاں سوتے ہو اصغر زینبؑ کا سفر ختم ہوا قبرِ اخی پر
بالوں سے لحد جھاڑتی تھی سبطِ نبیؐ کی
دیتی تھی دہائی کبھی زہراؑ و علیؑ کی
کہتی تھی کہ آئی ہے بہن، دیکھ لو بھیا بازو پہ نشاناتِ رسن دیکھ لو بھیا
اجڑا ہوا زہراؑ کا چمن دیکھ لو بھیا لائی ہوں شہیدوں کے کفن دیکھ لو بھیا
سونپی تھی جو خدمت وہ بجا لائی ہے زینبؑ
روداد سنانے کے لئے آئی ہے زینبؑ

بھیا میں بندھاتی رہی بیواؤں کی ہمت ہرحال میں کرتی رہی کنبے کی حفاظت
بیماری سجادؑ میں کی ان کی نیابت تا شام سنبھالے رہی میں بارِ قیامت

افسانہ کہا سب سے سرِ عام تمہارا
پہنچا دیا ہر گوشے میں پیغام تمہارا

کیا ظلم تھا لیکن جو نہ ڈھایا گیا بھائی لوٹا گیا خیموں کو جلایا گیا بھائی
بازاروں میں سر ننگے پھرایا گیا بھائی بیمار کو کانٹوں پہ چلایا گیا بھائی

تقدیر نے یہ خوابِ پریشاں بھی دکھایا
شہزادیوں کو خانہ زنداں بھی دکھایا

اسیرانِ شام کربلا میں

پہنچے اسیر شام سے چھٹ کر جو کربلا   تسخیر ہو چکا تھا ہر اک سخت مرحلہ
اُترا جو بار سر سے تو یاد آئے اقربا   ایک ایک مرنے والا نگاہوں میں پھر گیا

دل میں گھٹے ہوئے تھے جو ارماں اُبل پڑے
اشکوں کے ساتھ دل کے بھی ٹکڑے نکل پڑے

کوئی تڑپ کے بولی کہ اکبر کہاں ہو تم   چلائی کوئی قاسم بے پر کہاں ہو تم
اک ماں صدائیں دیتی تھی اصغر کہاں ہو تم   زینب پکاری عابدؑ مضطر کہاں ہو تم

بیٹا نہ دل پہ بس ہے نہ قابو ہے صبر پر
للہ لے چلو مجھے بھائی کی قبر پر

عابدؑ پھپھی کو لے کے بڑھے جانبِ مزار   بڑھتا تھا ہر قدم دلِ زینب کا اضطرار
جتنا شدید ضبط تھا اب تک بروئے کار   اتنے ہی سخت ردِعمل سے ہوئیں دوچار

ٹوٹا جو کوہِ ضبط تو دریا اُبل پڑا!
آنکھوں سے اشک بن کے کلیجہ نکل پڑا

بولیں لپٹ کے قبر سے بھائی، میں آگئی   بھیا سنا، میں شام تلک بے ردا گئی
بھیا سکینہ ہم سے نگاہیں پھرا گئی   نکلی نہ قید خانے سے موت اس کو کھاگئی

بچی تو رو چکی تھی بہت تھک کے سو گئی
لیکن وہ ماں کی گود جو ویران ہوگئی

بھیا ذرا رباب کی حالت تو دیکھئے   کیسی اداس اداس ہے صورت تو دیکھئے
دل خونِ زباں خموش یہ ہمت تو دیکھئے   ہر گام مرگِ تازہ ہے قسمت تو دیکھئے

دکھیا پہ کیسے کیسے مصائب گذر گئے
وارث بھی سر سے اُٹھ گیا بچے بھی مر گئے

یہ کہہ کے اب نظر جو اٹھائی بہ اشک و آہ   دیکھا رباب بیٹھی ہے پائینِ قبرِ شاہ
چہرۂ دھواں دھواں سا ہے بے نور سی نگاہ   وہ کپکپاتے لب کہ خموشی بھی ہے کراہ

کھوئی ہوئی سی نظروں میں حسرت رچی ہوئی
مرقد کے گرد ہاتھوں سے کچھ ڈھونڈتی ہوئی

دیکھا جو یوں رباب کو بیٹھے بہ درد و یاس   سوچا کہ ضبطِ گریہ سے قائم نہیں حواس
پوچھا یہ کیا تلاش ہے بھابھی لحد کے پاس   باقی ہے اب بھی کیا دلِ مردہ میں کوئی آس

اب کیا ہمارے پاس ہے سب کچھ تو کھو چکے
ہنستے تھے جن کو دیکھ کے ان سب کو رو چکے

اس وقت کچھ عجیب تھا عالم رباب پر   گردن جھکائے بیٹھی تھی دنیا سے بے خبر
شانہ ہلا کے بولی جو زینب بہ چشمِ تر   یک لخت جیسے چونک اُٹھی دیکھی اُٹھا کے سر

بس اتنا کہہ سکی کہ بہت دن گذر گئے
آئے تھے ساتھ باپ کے اصغر کدھر گئے

اس نالہ رباب پہ محشر ہوا بپا عاشور کا سماں تھا نظر میں کھنچا ہوا

ہر آنکھ میں تھا چہرۂ اصغر بسا ہوا گودی میں جیسے باپ کا منہ دیکھتا ہوا

قبرِ حسینؑ کرب سے تھرا کے رہ گئی

روداد سنانے کے لئے آئی ہے زینبؑ

واپسی اہلِ حرم اور اُم البنین

(ماں کا دل)

لوٹی وطن کو شام سے جب آلِ مصطفیٰؐ   یثرب کے گوشے گوشے سے شور فغاں اُٹھا
ہر شخص پوچھتا تھا کہ غربت میں کیا ہوا   تازہ ہوئی مدینے میں پھر یادِ کربلا
جب ذکر درد ہوتا تھا ام البنین سے
اُٹھتی تھی آنچ شہر نبی کی زمین سے

سجادؑ سے وہ مادرِ عباس کا سوال   کیسا لڑا حسینؑ کی خاطر علیؑ کا لال
عابدؑ کا سر جھکا کے یہ کہنا بصد ملال   کیا پوچھتی ہیں آپ اسیرِ وفا کا حال
اذنِ وغا ملا ہی کہاں اس دلیر کو
زنجیر سے حسینؑ نے جکڑا تھا شیر کو

فطرت کا رخ امام نے تبدیل کردیا   شعلہ وفا کی چھوٹ سے شبنم بنا رہا
لیکن علیؑ کا لال بہرحال شیر تھا   اس قید میں بھی سارے نیستاں پہ چھا گیا
ایسا دلیر کون ہے ساری خدائی میں
مر کر بھی شیر جھوم رہا ہے ترائی میں

اُم البنین نے جو سُنی مدحتِ پسر   بے ساختہ جھکا دیا شکرِ خدا میں سر
آئیں کس اعتماد سے زہراؑ کی قبر پر   فرمایا شاہزادی سنی آپ نے خبر
کہتے ہیں سب غلام، بڑا کام کر گیا
بی بی میں سُرخرو ہوئی عباس مر گیا

بی بی غلام نے کیا حقِ وفا ادا　　شکرِ خدا مجھے مری محنت کا پھل ملا
بیٹے نے کر دکھایا جو منشا تھا باپ کا　　کہہ دیجیے گا آپ کہ پوچھیں جو مرتضیٰ

تاکید جس کی تھی وہ عمل عمر بھر رہا
جب تک جیسا حسینؑ کا سینہ سپر رہا

جب تک رگوں میں خوں تھا وفا میں کمی نہ تھی　　بازو کبھی فدا کیئے سر دے دیا کبھی
تا عصر کرسکا نہ حفاظت حسینؑ کی　　لیکن بشر تھا موت کی ساعت نہ ٹل سکی

آقا کا سر کٹا تو نہ کام آسکا غلام
بی بی تو جانتی ہیں کہ زندہ نہ تھا غلام

بی بی تری کنیز ترے پاس آئی ہے　　آنکھوں میں ہیں کچھ اشک انہیں نذر لائی ہے
جنگل میں تیرے لال نے بستی بسائی ہے　　عابدؑ نے اپنے ہاتھ سے تربت بنائی ہے

شاید سبب بنے یہ ترے دل کے چین کا
بی بی کنیز دیتی ہے پُرسہ حسینؑ کا

رویا کروں گی بی بی میں جب تک ہے دم میں دم　　جائے گا جیتے جی نہ مرے دل سے یہ الم
چھایا رہے ہر ایک غم زیست پر یہ غم　　حق ہے یہ تیرے لال کا لونڈی پہ کم سے کم

ہرگز نہ اپنے بچوں کا کچھ غم کرونگی میں
تازیست تیرے لال کا ماتم کروں گی میں

ام البنین! اکیلی نہیں آپ تلخ کام اس مجلس عزا میں بھی بیٹھے ہیں کچھ غلام
اشکوں سے لکھ رہے ہیں شہ کربلا کا نام کر لیجئے انہیں بھی شریکِ غم امام

پلکوں کو دل کے خون سے رنگین کئے ہوئے
کچھ سوگوار آئے ہیں آنسو لئے ہوئے

مراجعت

جب چھٹ کے قیدِ شام سے سجادؑ گھر چلے   رستے میں کربلا نے صدا دی کدھر چلے
دشتِ بلا میں چھوڑ کے لاشِ پدر چلے   عابدؑ نہ چاہتے تھے کہ جائیں مگر چلے

پیہم دعا تھی طاقتِ ضبط فغاں رہے
صغرا ضرور پوچھے گی بابا کہاں رہے

رک رک کے سوچتے تھے اسے کیا بتائیں گے   کیسے کہیں گے بی بی اب اکبر نہ آئیں گے
تم بھی بھلا دو ہم بھی انہیں بھول جائیں گے   وقت آئے گا تو خود تمہیں بابا بلائیں گے

کہہ دیں ابھی رباب سے آگے نہ آیئے
بچی مچل نہ جائے کہ اصغر کو لایئے

ام البنین پوچھیں گی اپنے جری کا حال   کس شان سے لڑا سرِ میداں علیؑ کا لال
کہنا پڑے گا جنگ کا غازی کی کیا سوال   ان کو تو صرف آب رسانی کا تھا خیال

اذنِ دغا ملا ہی کہاں اس دلیر کو
زنجیر سے امام نے جکڑا تھا شیر کو

مل جاتی اس جری کو اگر جنگ کی رضا   دم بھر میں فیصلہ تھا کل افواجِ شام کا
پانی گئے تھے لینے سو وہ بھی نہ مل سکا   مشکیزہ واپس آیا تو رنگیں تھا جا بجا

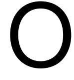
وعدہ تھا بھر کے لانے کا پورا بھی کر دیا
مشکیزہ سکینہ میں خوں اپنا بھر دیا

دیکھا جو یہ سکینہ نے آئے نہیں چچا　　مشکیزہ واپس آیا اور وہ بھی خون بھرا

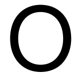
یہ حادثہ کلیجے کا ناسور بن گیا　　زنداں میں بھی چچا ہی کا دن رات ذکر تھا

سمجھایا ہر طرح نہ مگر بے کلی گئی

آخر چچا کے پاس بھتیجی چلی گئی



توقیر و شرافت کی ہیں معراج علیؑ
جس اوج پہ کل تھے ہیں وہیں آج علیؑ
تعظیم نبیؐ کرتے تھے جس زہراؑ کی
اس محورِ عظمت کے ہیں سرتاج علیؑ



معراجِ میں اے رسولؐ کیا کیا دیکھا
کس کس کو سرِ عرشِ معلیٰ دیکھا
دیدارِ خدا؟ نہیں یہ ممکن ہی نہیں
دیکھا تو ضرور، کس کا جلوہَ دیکھا

یثرب میں کربلا

چھٹ کر جب آیا شام سے کنبہ رسولؐ کا یثرب کے ذرے ذرے نے اک زخم نو دیا
آئے جو ابنِ جعفر طیار با صفا اک تیر سا کلیجے میں عابدؑ کے گڑ گیا
زینب تو دور ہٹ گئیں منہ کو چھپا لیا
عابدؑ نے اپنے پاس چچا کو بٹھا لیا
کہنے لگتے بھتیجے سے، عبداللہ حزیں کیا سن رہا ہوں میں کہ ہوئے قتل شاہِ دیں
سب کہتے ہیں مگر مجھے آتا نہیں یقیں سبطِ نبی تو قتل ہوں باقی رہے زمیں
حیراں ہوں شیرِ بیشہ حیدر کہاں گئے
عباس کیا ہوئے علی اکبر کہاں گئے
اتنے خموش کیوں ہو مجھے حالِ غم سناؤ غربت میں کیا گذر گئی کچھ تو مجھے بتاؤ
اپنوں میں ہو جو دل میں ہے اسکو زباں پہ لاؤ بیٹا پھوپھی کہاں ہیں تمہاری انہیں بلاؤ
پوچھوں تو ان سے عون و محمد نے کیا کیا
کس طرح میرا حقِ نیابت ادا کیا
عابدؑ نے آہ بھر کے سوئے خیمہ کی نظر زینبؑ تڑپ کے چھپ گئیں کانپے دل وجگر
جعفر کے شیر نے جو سنی آہِ پُر اثر ہاتھ اپنا پیار سے رکھا عابدؑ کی پشت پر
فرمایا یوں تڑپ کے نہ آہ و فغاں کرو
بیٹا جو دکھ اُٹھائے ہیں مجھ سے بیاں کرو

عابد کا دل بھر آیا چچا سے لپٹ گئے پہنچی جوٹھیس پشت کے سب زخم پھٹ گئے

بہنے لگا لہو تو جھجک کر سمٹ گئے گھبرا کے ابنِ جعفر طیار ہٹ گئے

بولے یہ زخم کیسے ہیں کیا ماجرا ہوا

عابدؑ خدا کے واسطے بولو یہ کیا ہوا

کیا بعدِ قتلِ شاہ بھی تم پر ہوئے ستم محفوظ تو رہے شہِ مظلوم کے حرم

یہ تو حمیت اہلِ عرب میں ہے کم سے کم بچوں کو عورتوں کو سمجھتے ہیں محترم

کیا لٹ گیا تھا خیمہ بھی آلِ رسولؐ کا!

بے پردہ تو ہوا نہیں کنبہ، بتولؑ کا!

عابدؑ نے آہ بھر کے کہا کچھ نہ پوچھئے جو سوچ بھی نہ سکتے تھے ایسے ستم ہوئے

برگشتہ اس قدر تھا زمانہ حسینؑ سے اوروں کا ذکر کیا علی اصغر نہ بچ سکے

حقِ وفا ادا کیا بچوں نے آپ کے

دادا کا رعب داب تھا تیور تھے باپ کے

کس شان سے لڑے وہ دلاور نہ پوچھئے کس طرح وار کرتے تھے جم کر نہ پوچھئے

مرعوب ان سے کتنا تھا لشکر نہ پوچھئے کیا کہہ رہے تھے قاسم و اکبر نہ پوچھئے

ہر ایک کی زباں پہ صدا مرحبا کی تھی

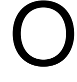
فرصت نہ دی اجل نے یہ مرضی خدا کی تھی

ان پر ہی کیا اجل تو بھرے گھر کو کھا گئی قاسم کو کھا گئی علی اکبر کو کھا گئی
عباس جیسے شیرِ دلاور کو کھا گئی حد ہوگئی کہ سبطِ پیمبر کو کھا گئی
سب قبر میں چلے گئے سونے کے واسطے
بس میں رہا ہوں کنبے کو رونے کے واسطے

کیسے کہوں چچا نہ رہے جب شہِ اُمم بے وارثوں پہ توڑے گئے کس قدر ستم
بازار میں پھرائے گئے ننگے سر حرم دنیا اُڑا رہی تھی مذاق اور چپ تھے ہم
کیا حال درد منہ سے کہیں دیکھ لیجئے
دروں کے زخم پشت پہ ہیں دیکھ لیجئے

دربار میں گئے تو قیامت گذر گئی مجمع میں آل پاک نبی ننگے سر گئی
طعنے تھے مضحکے تھے جہاں تک نظر گئی ہم ڈھونڈتے تھے موت نہ جانے کدھر گئی
قیدی تھے سر جھکائے خمیدہ کھڑے ہوئے
چھوٹے بڑے تھے ایک رسن میں بندھے ہوئے

یہ سن کے ابنِ جعفر طیار رو دیئے ان سے لپٹ کے عابدؑ بیمار رو دیئے
شور فغاں اٹھا درودیوار رو دیئے یاد آئے مرنے والے سب اک بار رو دیئے
پھرنے لگے نظر میں شہیدانِ کربلا
یثرب میں کھنچ کے آگیا میدانِ کربلا



تم روک سکو اسے یہ مقدور نہیں
یہ شیر کسی حال میں مجبور نہیں
اے نہر کے فوجیو وہ آئے عباسؑ
بھاگو بھاگو کہ موت اب دُور نہیں

''عابد قبرِ نبی پر''

زنداں سے رہائی ملی جب آلِ عبا کو عابدؑ نے دیا اذن چلو کرب و بلا کو
اب شان سے دفنائیں گے اپنے شہداء کو روداد سکینہ کی سنائیں گے چچا کو
احوالِ اسیری شہِ والا سے کہیں گے
کیا گذری ہے تا شام وہ بابا سے کہیں گے

مقتل کی طرف روتے چلے قافلے والے بچی کی لحد کو کیا خالق کے حوالے
فرصت جو ملی رسنے لگے آنکھوں کے چھالے سجادؑ رہے اب بھی مگر دل کو سنبھالے
جب مل چکی ہر خواب کی تعبیر تو روئے
دفنا چکے جب لاشہ شبیرؑ تو روئے

زینب سے کہا سو گئے اربابِ وفا بھی لو ختم ہوئی منزلِ دفنِ شہداء بھی
باقی ہے سفر چھٹتی ہے اب کرب و بلا بھی لے لیجئے صغرا کے لئے خاکِ شفا بھی
جی چاہتا ہے جانے کو کب یاں سے کسی کا
اک مرحلہ باقی ہے مگر شہرِ نبی کا

طے کرنی ہے اک اور ابھی منزلِ دشوار　　پڑنے ہیں ابھی ٹوٹے ہوئے دل پہ کئی وار
ہے آس لگائے ہوئے صغرا جگر افگار　　اب لوٹ کے آنے ہی کو ہیں سیدِ ابرار
کہنا ہے یہ اس سے کہ نہ اب آئیں گے بابا
خود باغِ جناں میں تمہیں بلوائیں گے بابا

القصہ چلے اہل حرم کرب و بلا سے　　رخصت ہوئے رو رو کے مزارِ شہدا سے
پہنچے جو مدینے میں تو تڑپا گئے پیاسے　　سب زخم ہرے ہوگئے یثرب کی ہوا سے
تڑپا گئیں یادیں انہیں آغازِ سفر کی
گھر کو کبھی دیکھا، کبھی ماضی پہ نظر کی

لکھا ہے کہ جب قبرِ نبی پر گئے سجادؑ　　ہمراہ تھے سب اہلِ حرم بادلِ ناشاد
ہر آنکھ میں آنسو تھے ہر اک لب پہ تھی فریاد　　رو کر کہا عابدؑ نے کہ سن لیجئے فریاد
ہم آپ کے فرزند کو کھو آئے ہیں نانا
پردیس میں شبیرؑ کو رو آئے ہیں نانا

سن لیجیے وہ پیغام جو بابا نے دیا تھا		جو فرض انہیں سونپا تھا وہ کر گئے پورا
خود مٹ گئے امت پہ فدا کردیا کنبہ		جاتے ہوئے یہ بارِ امانت مجھے سونپا

پورا ہوا سامانِ شفاعت تو سدھارے
جب ہوگئی محفوظ شریعت تو سدھارے

لیکن ہمیں کیا کیا نہ لعینوں نے ستایا		بازاروں میں حضرت کے بھرے گھر کو پھرایا
کوئی نہ رہا سر پہ تو خیموں کو جلایا		قیدی کیا بیووں کو مجھے طوق پہنایا

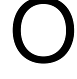
ویرانے میں کانٹوں پہ چلایا گیا نانا
جلتی ہوئی ریتی پہ بٹھایا گیا نانا

ایذائیں تھیں محرومیاں تھیں بچوں کا مقسوم		پڑتے تھے طمانچے جو کبھی روتے تھے معصوم
طعنوں کا ہدف تھے حرمِ سید مظلوم		بازاروں میں سر ننگے پھریں زینب و کلثوم

دل جلتے تھے اک آگ سی سینے میں نہاں تھی
ہم ڈھونڈتے تھے موت خدا جانے کہاں تھی

آجاتی ہمیں موت تو یہ غم نہ اُٹھاتے		بازاروں میں درباروں میں زنداں میں نہ جاتے
پھٹ جاتی زمیں کاش کہ ہم اس میں سماتے		واپس وطن آئے ہیں مگر کاش نہ آتے

جینا ہے اور ایک ایک نفس بار ہے نانا
منزل مری بابا سے بھی دشوار ہے نانا



ہر چند زبردست تن و توش میں ہو
حاکم کے بڑھاوے سے بڑے جوش میں ہو
عباسؑ کے ہونٹون کا تبسم دیکھا
اس شیر کو تم روکو گے تم ہوش میں ہو

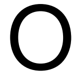
رباعیات

و

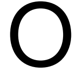
قطعات

قطعہ

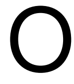
شعورِ دہر کو بھی زیرِ دام کرلیتے
جو تھا دلیلِ نبوت وہ کام کرلیتے
برابری کا نبیؐ سے اگر تھا اتنا شوق
کہیں سے وحی کا بھی انتظام کرلیتے



میں اور کروں مدحتِ ممدوحِ خدا
یہ تاب یہ جرأت ہی کہاں ہے میری
قرآں میں جو پڑھتا ہوں وہ کہہ دیتا ہوں
الفاظ خدا کے ہیں زباں ہے میری



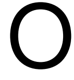
ہر ایک لمحہ ہستی ہے ارتقا پرور
نیا اصول بدلتا ہے ہر اصول کے بعد
یہ اعتمادِ مشیت نہیں تو پھر کیا ہے
کہ اب رسول نہ آئے گا اس رسولؐ کے بعد



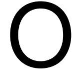
ہیں تہتر(۷۳) یوں تو اسلامی عقائد کم سے کم
ہم مگر سمجھے نہ سمجھیں گے یہ فقہی پیچ و خم
ہم تو دو سمجھے ہیں اسلامی عقائد صرف دو
آل اور قرآن جدا یا آل اور قرآں بہم

قطعات

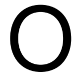
درمیانِ بندہ و خالق وسیلہ تھے نبیؐ
ہوسکے تو اس سے بچ سکنے کا حیلہ ڈھونڈلو
اب نبیؐ ہم میں نہیں لیکن خدا تو اب بھی ہے
یا خدا سے رشتہ توڑو یا وسیلہ ڈھونڈ لو



چھپا سکو گے کہاں تک زبان و دل کا تضاد
اب اس فضول تکلف کی کیا ضرورت ہے
زباں پہ نعت پیمبرؐ، عمل خلافِ نبیؐ
تمہیں کہو یہ محبت ہے یا عداوت ہے



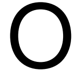
یہ مانا دیر سے لب پر ترے نعت پیمبرؐ ہے
بظاہر عشق محبوب خدا میں آنکھ بھی تر ہے
مگر اے مدح خوانِ مصطفیٰؐ ایمان سے کہنا
کہ کیا دل میں بھی ہے تیرے وہی جو کچھ زباں پر ہے



آستانِ شہ لولاک پہ رکھ دی تھی جبیں
اب زمیں پر ہوں نہ جانے کہ سر عرشِ بریں
اک یم نور میں تحلیل ہوا جاتا ہوں
اب نہ جلوے ہیں نہ نظریں ہیں نہ روضہ نہ جبیں

رباعی

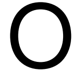
معمارِ چمن کون ہے یہ تو دیکھو
صورت گر فن کون نہے یہ تو دیکھو
ہاں نعت نبیؐ میں ہیں مرے شعر بلند
موضوعِ سخن کون ہے یہ تو دیکھو



قرآن کا مفہوم نبیؐ سے پوچھو
جب وہ نہ ملیں ان کے ولی سے پوچھو
پھر وہ جو ہیں ''کلنا محمدؐ'' میں شریک
کچھ فرق نہ پاؤگے کسی سے پوچھو

قطعہ

''گُلنا'' کہہ کر ابد تک کی نگاہوں کے حضور
اپنی عصمت کی گواہی دے رہے ہیں مصطفیؐ
پیش گوئی کر نہیں سکتا کوئی اک نسل کی
چودہ نسلوں کی ضمانت لے رہے ہیں مصطفیؐ



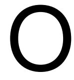
منزل یہ ہے رسولؐ کی اس کائنات میں
مختارِ کل ہیں دائرہ ممکنات میں
سیدھی سی بات ہے وہی آلِ رسول ہیں
ملتے ہیں جو رسول سے ان کی صفات میں

قطعات

ابوطالب

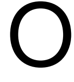
طریقہ ہے کہ کوئی صاحب ایمان کافر سے
بہ مجبوری تو ملتا ہے مگر کھل کر نہیں ملتا

عجب ہے کفرِ عمراں بھی کہ یہ جس سے بگڑ جائیں
پھر اس سے بانی اسلام کا گھر بھر نہیں ملتا



ہر آئینہ ابو طالبؑ کے خوں کا جوہر تھا
علیؑ کا دبدبہ، جعفرؑ کا عزم، فکرِ عقیل

نثار اس ابو طالبؑ کے کفر پر مرا دین
مرا رسول کرے جس کے حکم کی تعمیل

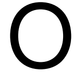


نبیؐ بھی ان سے خوش اسلام بھی مرہونِ منت ہے
بظاہر ان کو مومن مانتے ہیں کیا قباحت ہے

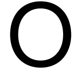
نبیؐ سے کہہ کے شیخ ان کو بھی شاید بخشوا دیتے
ابو طالبؑ علیؑ کے باپ ہیں یہ وجہ لکنت ہے

قطعات

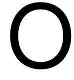
غدیر دشت تھا پہلے اب استعارہ ہے
فضا کے ساتھ معانی بدلتے رہتے ہیں
جہاں سے کٹتی ہے راہِ یقیں سے راہِ گماں
اب اس مقام نظر کو غدیر کہتے ہیں



علیؑ تمہارے بھی مولیٰ ہیں اور ہمارے بھی
ہو اختلاف کی جرأت تو اختلاف کرو
اگر بھلاتے ہو دل سے علیؑ کا یہ منصب
تو پہلے صدقِ محمدؐ سے انحراف کرو



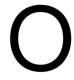
وہ اہتمام نبیؐ نے کیا برائے غدیر
سکی خلاء کا کہیں جس میں احتمال نہیں
مگر بھلا دیا دنیا نے اتنی عجلت سے
کہ اس ڈھٹائی کی تاریخ میں مثال نہیں



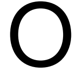
گراں تو گذرا ہے دل پر علیؑ کا یہ اعزاز
زباں سے لاکھ کہو تم کہ ناگوار نہیں
الجھ رہے ہو جو معنیِ لفظ مولیٰ میں
تمہیں رسولؐ کی نیت پہ اعتبار نہیں

قطعات

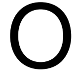
علیؑ کو کرتے ہو تسلیم جانشینِ رسولؐ
کلامِ پاک کا منشاء سمجھ لیا کہ نہیں
کہوں میں اب تمہیں مومن کہ انتظار کروں
تمہارا دین مکمل ابھی ہوا کہ نہیں



یقیں کے لاکھ پردے رخ پہ ڈالو
جھلک جاتی ہے پرچھائیں گماں کی
جھکالے سر کو بخ کہنے والے
نظر تردید کرتی ہے زباں کی



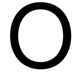
اگر بقول کسے یہ حدیث حجت ہے
نبیؐ کے ترکے کی وارث تمام امت ہے
تو کیوں علیؑ سے ہے مختص یہ لفظ مولیٰ بھی
اسے بھی بانٹ لو یہ بھی نبیؐ کی دولت ہے



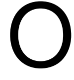
رسولِ پاکؐ ہیں معراج کی سعادت ہے
خدا سے ہوتی ہیں باتیں مگر یہ حیرت ہے
ابھر رہی ہے پسِ پردہ کس کی یہ آواز
یہاں تو ذاتِ الٰہی ہے یا رسالت ہے

قطعات

کسی قطب کا نہ ابدال کا نہ پیر کا ذکر
کیا نبیؐ نے تو بس اپنے اک وزیر کا ذکر
لیا حریفوں نے یوں انتقامِ محرومی
کھرچ کے رکھ دیا تاریخ سے غدیر کا ذکر



یہ میرا قول نہیں اک بزرگ کہتے ہیں
جو قطبِ وقت ہیں جو عاشقِ پیمبر ہیں
نبیؐ بشر تھے مروت میں کہہ دیا ہوگا
کہ میرے بعد مرے جانشین حیدرؓ ہیں



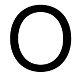
شیخ صاحب اب کوئی حاصل نہیں انکار کا
خوب اندازہ ہے سب کو آپ کے کردار کا
کرتے رہیے لاکھ خم کی گفتگو سے انحراف
لفظ ''نجِ'' استعارہ بن چکا سرکار کا

رباعی

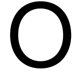
میدانِ غدیر تو بتا کیا ہیں علیؑ
کتنا مجمع ہے جس میں تنہا ہیں علیؑ
اے معنی مولٰی میں الجھنے والو
جو تم نہیں بن سکتے وہ مولا ہیں علیؑ

قطعات

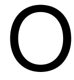
خود پرستوں کی یہ دنیا ہے جہاں رہتے ہیں ہم
مضحکہ کی زد پہ آجائے نہ مولودِ حرم
ہے خدا ہونے کا شک جس پر وہ ہے ذاتِ علیؑ
اس میں انسانی نقائص تو نہ ڈھونڈو کم سے کم



حاصل علیؑ کے گھر کو عجب امتیاز ہے
سجدہ یہاں جہاد ہے ضربتِ نماز ہے
اک ضرب ہے عبادت ثقلین سے بلند
اک سجدۂ وفا پہ شہادت کو ناز ہے



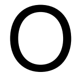
یہ جزوِ نورِ نبیؐ ہیں فنا ہے ناممکن
رہیں نہ یہ تو بہ شکلِ حیات کچھ نہ رہے
علیؑ نہ تھے تو سرِ کائنات کچھ بھی نہ تھا
علیؑ نہ ہوں تو سرِ کائنات کچھ نہ رہے



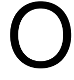
نامِ علیؑ محیط ہے کل کائنات پر
تحریر ہے یہ نقشِ جلی شش جہات پر
جس کو سمجھ رہی ہے خلا سطح بیں نگاہ
قائم ہے وہ خلا بھی علیؑ ہی کی ذات پر

قطعات

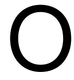
میں جب علیؑ کی قسم کھا کے بات کرتا ہوں
تو میرے ذہن میں ہوتی ہے کبریا کی قسم
علیؑ ولی ہی نہیں نفسِ مصطفےٰؐ ہی نہیں
علیؑ خدا کا بھی اک نام ہے خدا کی قسم



بشر خدا کو سمجھ لے یہ غیر ممکن ہے
محال ہے کہ پیمبر سمجھ میں آجائیں
نبیؐ کا قول ہے، قولِ نبیؐ میں شک کیسا
علیؑ علیؑ نہ رہیں گر سمجھ میں آجائیں



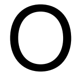
نہ جانے کس لئے حیرت ہے اہل دنیا کو
وفائے عہد تو اشراف کا وطیرہ ہے
علیؑ نے بات نباہی، نبیؐ نے اجر دیا
غدیر تکملہء عہدِ ذوالعشیرہ ہے



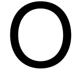
یہ مانا گر نہیں سینے میں روشن شمعِ ایمانی
تو اُترے گی نہ دل میں عظمت حیدر بہ آسانی
کم از کم اس میں انسانی نقائص تو نہ چپکاؤ
خدا ہونے کا شک کرتی ہو جس پر عقلِ انسانی

قطعات

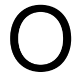
کوئی اہل نظر ہی قیمت جوہر سمجھتا ہے
پرکھ جس کو نہیں ہیرے کو بھی پتھر سمجھتا ہے
علیؑ سے بڑھ کے کوئی واقفِ قرآن ہو ناممکن
کہ گھر کی بات گھر والا ہی کچھ بہتر سمجھتا ہے



ہماری کیا ہے کہ ہم سب تو ہیں غلامِ علیؑ
عدد سے نامِ علی بھی ہیں زیرِ دامِ علیؑ
جو کہہ رہے ہیں کہ نامِ علیؑ نے لے کوئی
وہ خود یہ کہتے ہوئے لے رہے ہیں نامِ علیؑ



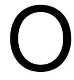
ہر ایک ذرہ خاکی ہے زیرِ دامِ علیؑ
ہر ایک ذرے پہ لازم ہے احترامِ علیؑ
وجودِ ارض یقیناً انہی سے قائم ہے
کہ بوترابؑ بقول نبیؐ ہے نامِ علیؑ



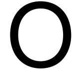
علیؑ کا مرتبہ اللہ اکبر
نبیؐ سے کم زمانے بھر سے برتر
نگاہ و قلب و ابرو دوش اطہر
چراغ و مسجد و محراب و منبر

قطعات

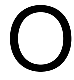
جنابِ شیخ یہ کس دین کی شریعت ہے
کہ اجتہاد کی ہر شخص کو اجازت ہے
اور اجتہاد ہی ٹھہرا تو پھر خطا کیسی
حضور اتنے تکلف کی کیا ضرورت ہے



ہوں کچھ بھی معنی مولیٰ مگر بقولِ نبیؐ
علیؑ سے بغض خود اللہ سے بغاوت ہے
تو کھل کے کیوں نہیں کہتے کہ جو علیؑ سے لڑا
اُسے خدا سے کدورت نبیؐ سے نفرت ہے



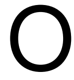
نبیؐ بھی ان سے خوش اسلام بھی مرہونِ منت ہے
بظاہر ان کو مومن مانتے ہیں کیا قباحت ہے
نبیؐ سے کہہ کے شیخ ان کو بھی شاید بخشوا دیتے
ابو طالب علیؑ کے باپ ہیں بس یہ مصیبت ہے



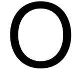
غدیرِ خم، شہِ لولاک، حیدرؑ کرار
مٹے تو کیسے مٹے یہ نوشتہ دیوار
عجیب ذات ہے ذاتِ علیؑ کہ دشمن کو
نہ اعتراف گوارا نہ جرأتِ انکار

قطعات

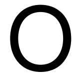
اگرچہ صبر شکن زندگی کا جادہ تھا
مگر علیؑ کے غلاموں کا دل کشادہ تھا
یہ حال ہے کہ حوادث کا سانس ٹوٹ گیا
ابھی لیا بھی نہ تھا نام صرف ارادہ تھا



بے وفا کے عہد میں عہدِ وفا یاد آگیا
اپنی محرومی پہ صبرِ مرتضےٰ یاد آگیا
ہوگئی اپنی عبادت زیست کے ہر موڑ پر
جب کوئی مشکل پڑی مشکل کشا یاد آگیا



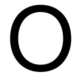
یہ قلب و روح کی خالص عبادت ہم بھی کر لیتے
عقیدت کیش نظروں سے زیارت ہم بھی کر لیتے
ہمیں پیدا ہی ہونا تھا تو ہوتے عہد میں ان کے
علیؑ کے مصحف رخ کی تلاوت ہم بھی کر لیتے



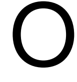
سائے میں اس نور کے گرم سفر ہے آج بھی
تیرگی کی یورشوں میں کاروانِ زندگی
آج بھی جب مشکلوں میں لڑکھڑاتے ہیں قدم
عادتاً لب پہ مچلتی ہے صدائے یا علیؑ

قطعات

خدا کہیں جو علیؑ کو تو شرک و بدعت ہے
وہ رجس شرک جو سب سے بڑی نجاست ہے
مگر میں کیا کروں اس رجس شرک کے باوصف
مجھے نصیری سے نفرت نہیں محبت ہے



جو کچھ بطون میں ہے جو کچھ ہے ظہور میں
جو کچھ ہے آسمانوں میں جو کچھ زمیں میں ہے
جو کچھ کسی کے دل میں ہے جو کچھ زبان پر
احصا ہر ایک شے کا امام مبیں میں ہے



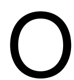
اس دور میں عجیب ہے اسلامیوں کا رنگ
پھیلا رہے ہیں کفر، شریعت کا نام ہے
اور اس گروہِ خود نگراں کا بھی کیا قصور
کیا رہبری کرے گا جو خود بے امام ہے

رباعی

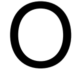
پیمانہ غم جھلک رہا ہے لوگو!
قرآں سوئے عرش تک رہا ہے لوگو
دروازہ شہر علم ہوتا ہے شکست
منبر سے لہو ٹپک رہا ہے لوگو!

رباعیات

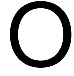
ہے نفسِ نبی مرضیِ معبود کے مول
مولا کو سیاست کی ترازی میں نہ تول
کیا بعد نبیؐ علیؑ سے افضل تھا کوئی
یہ منزلِ ایماں ہے یہاں جھوٹ نہ بول



مولودِ حرم، قاتلِ اژدر نہ بنا
مولا نہ بنا نفسِ پیمبرؐ نہ بنا
حیدرؑ بخدا خدا نہیں ہیں لیکن
انسان خدا بن گیا حیدرؑ نہ بنا



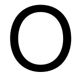
مجبوری کے حیلے سے ٹھہرنا بہتر
غیروں کے سنوارے سے بکھرنا بہتر
منت کشِ غیر، زندگی کی خاطر
اے شیعہ حیدرؑ ترا مرنا بہتر



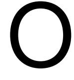
ہے ذاتِ علیؑ بہرِ عدد ایک سوال
اندھے کے لئے مہرِ منور کا جمال
حیراں ہے دوراہے پہ یقین و شک کے
اقرار گوارا نہیں، انکار محال

رباعیات

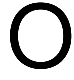
یوں خانہ کبریا میں حیدرؑ اُترے
جیسے بطنِ صدف میں گوہر اُترے
جیسے سرِ طور برقِ جلوہ کا نزول
جیسے قرآن نبیؐ کے دل پر اُترے



جب تک نہ ہوں مفہوم بتانے والے
قرآن کو نہ سمجھیں گے زمانے والے
شہرِ علم نبیؐ کا در ہیں حیدرؑ
دروازے سے آئیں گھر میں آنے والے



مشرک ہیں جو کہتے ہیں خدا ہیں حیدرؑ
ہاں فکرِ بشر سے ماورا ہیں حیدرؑ
مفہومِ درِ مدینۃ العلم یہ ہے
امت سے نبیؐ کا واسطہ ہیں حیدرؑ



ترکِ توصیفِ آل منظور نہیں
بابا مودّت کا یہ دستور نہیں
رک جاؤں گا مولیٰ کی اجازت لے آؤ
تم روک سکو مجھے، یہ مقدور نہیں

